

شاہ ولی اللہ

اور

اُن کا خاندان

تالیف

محمود احمد برکاتی

مکتبہ جامعہ ملیہ
دہلی

اشتراک

پتہ: کویں سبیل، فوج ابرو، پانچواں

شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان

تالیف

مولانا حکیم محمود احمد برکاتی

کتب خانہ دہلی
مکتبہ جامعہ ملیہ

اشتراک

پتہ: کونسل برائے فروغِ اُردو، نئی دہلی

Shah Waliullah Aur Un Ka Khandan
by
Maulana Hakeem Mehmood Ahmad Barakati
Rs.63/-



صدر دفتر

011-26987295 ☎ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی - 110025
Email: monthlykitabnuma@gmail.com

شاخیں

011-23260668 ☎ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، جامع مسجد دہلی - 110006
022-23774857 ☎ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنس بلڈنگ، ممبئی - 400003
0571-2706142 ☎ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ - 202002
011-26987295 ☎ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، بھوپال گراؤنڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی - 110025

قومی اردو کونسل کی کتابیں مذکورہ شاخوں پر دستیاب ہیں

سنہ اشاعت: 2011 تعداد: 1100 قیمت: 63/- روپے

سلسلہ مطبوعات: 1433

ISBN : 978-81-7587-527-2

ناشر: ڈائریکٹوریٹ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون FC-33/9، انٹرنیٹ یوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی - 110025

فون نمبر: 49539000 فیکس: 49539099

ای میل: urducouncil@gmail.com ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in

طابع: جے۔ کے۔ آفسیٹ پرنٹرز، بازار نیما محل، جامع مسجد - 110006

اس کتاب کی چھپائی میں 70 GSM TNPL Maplitho کاغذ کا استعمال کیا گیا ہے۔

معروضات

قارئین کرام! آپ جانتے ہیں کہ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ ایک قدیم اشاعتی ادارہ ہے، جو اپنے ماضی کی شاندار روایات کے ساتھ آج بھی سرگرم عمل ہے۔ 1922ء میں اس کے قیام کے ساتھ ہی کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جو زمانے کے سرد و گرم سے گزرتا ہوا آگے کی جانب گامزن رہا۔ درمیان میں کئی دشواریاں حائل ہوئیں، نامساعد حالات سے بھی سابقہ پڑا مگر سفر جاری رہا اور اشاعتوں کا سلسلہ کئی طور پر کبھی منقطع نہیں ہوا۔

اس ادارے نے اردو زبان و ادب کے معتبر و مستند مصنفین کی سیکڑوں کتابیں شائع کی ہیں۔ بچوں کے لیے کم قیمت کتابوں کی اشاعت اور طلباء کے لیے ”درسی کتب“ اور ”معیاری سیریز“ کے عنوان سے مختصر مگر جامع کتابوں کی تیاری بھی اس ادارے کے مفید اور مقبول منصوبے رہے ہیں۔ ادھر چند برسوں سے اشاعتی پروگرام میں کچھ تعطل پیدا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے فہرست کتب کی اشاعت بھی ملتوی ہوتی رہی مگر اب برف پگھلی ہے اور مکتبہ کی جو کتابیں کمیاب بلکہ نایاب ہوتی جا رہی تھیں شائع ہو چکی ہیں۔ زیر نظر کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اب تمام کتابیں مکتبہ کی دلی، ممبئی اور علی گڑھ شاخوں پر دستیاب ہیں اور آپ کے مطالبہ پر بھی روانہ کی جائیں گی۔

اشاعتی پروگرام کے جمود کو توڑنے اور مکتبہ کی ناؤ کو بھنور سے نکالنے میں مکتبہ جامعہ بورڈ آف ڈائریکٹرز کے چیئرمین اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے وائس چانسلر جناب نجیب جنگ (آئی اے ایس) کی خصوصی دلچسپی کا ذکر ناگزیر ہے۔ موصوف نے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے فعال ڈائریکٹر جناب حمید اللہ بھٹ کے ساتھ (مکتبہ جامعہ لمیٹڈ اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے درمیان) ایک معاہدے کے تحت کتابوں کی اشاعت کے معطل شدہ عمل کو نئی زندگی بخشی ہے۔ اس سرگرم عملی اقدام کے لیے مکتبہ جامعہ کی جانب سے میں ان صاحبان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ امید ہے کہ یہ تعاون آئندہ بھی شامل حال رہے گا۔

خالد محمود

نیجنگ ڈائریکٹر، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

ترتیب

- پیش لفظ ۵
- شاہ ولی اللہؒ کے حالات شاہ عبدالعزیزؒ کی زبانی۔ ۷
- مآخذ سوانح۔ القول الجلی، ملفوظات شاہ عبدالعزیزؒ، ولادت و وفات حافظہ، راجپوتانہ میں، سیدنا حسن کا قلم جو پڑھا لکھا تھا نیا نے سند حدیث، تقسیم کار، ضبط اوقات، مسیتا، شفقتِ پدری، تقریر، نسبت چشت، شاہ صاحب اور شیعیت، شیعوں سے قرابت، کرامت طب، غزل، وصیت نامہ، مسلک فقہی، ایک فتوا، ایک جزیرہ عذاب قبر۔
- سنین حیات شاہ ولی اللہؒ ۱۹
- حیات شاہ ولی اللہؒ کے چند خاص مآخذ۔ ۲۰
- تصانیف شاہ ولی اللہؒ۔ ۲۲
- تلامذہ و مریدین شاہ ولی اللہؒ۔ ۲۵
- شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خاندان کی تحریرات میں تحریفات۔ ۲۸
- تحریکِ ولی اللہؒ - کیا وہ کامیاب رہی؟ ۳۱
- اخلاق و تلامذہ، تصانیف و تالیف۔
- شاہ ولی اللہؒ کا مددِ رحیمیہ۔ ۴۱
- شاہ ولی اللہؒ کے بھائی شاہ اہل اللہؒ بھلتی۔ ۵۲

رطب، پھلت میں، اخلاف، تالیفات :

انفاسِ رحیمیہ، تخریج احادیث ہدایہ، تلخیص ہدایہ، اصول فقہ، تفسیر قرآن پہل باب،
کنز الدقائق کا فارسی ترجمہ، ترجمہ موجز القانون فارسی، فوائد چند مکاتیب،

۶۸ ● حضرت شاہ اہل اللہ پھلتی برادر خور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی

نصائح

۷۳ ● شاہ ولی اللہ کے خلیفہ اعظم شاہ محمد عاشق پھلتی۔

شیخ محمد شیخ عبید اللہ، شاہ محمد عاشق، اخلاف، امتہ العزیز، اولاد شاہ اللہ،

تلامذہ و مریدین۔

تصانیف :- قول جلی، تقریر خیر کثیر، شرح دعاء الاعتصام، سبیل ارشاد، مکتوبات

شاہ ولی اللہ، متفرق تحریریں، مقدمہ خیر کثیر، مکتوب، المصنفی پر۔

۹۵ ● شاہ ولی اللہ کے فرزند ان گرامی۔

۹۵ شاہ محمد دہلوی

۹۹ شاہ عبد العزیز

۱۰۵ شاہ رفیع الدین دہلوی

۱۱۲ شاہ عبد القادر دہلوی

۱۱۳ شاہ عبد الغنی دہلوی

۱۱۵ ● شاہ ولی اللہ کے اخلاف و احفاد۔

۱۱۵ شاہ محمد اسحق دہلوی

۱۱۶ شاہ محمد یعقوب دہلوی

۱۲۵ شاہ مخصوص اللہ

۱۲۸ شاہ محمد موسیٰ دہلوی

۱۳۳ مولوی سید ظہیر الدین احمد ولی اللہی۔

۱۳۳ شاہ محمد اسماعیل۔

۱۳۴ شاہ محمد عمر

۱۳۶ اسلامی اقتصادی انقلاب کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ کے نظریات۔

پیش لفظ

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے اصحاب و اخلاف و احفاد کے سوانح پر اپنے متفرق مضامین کا یہ مجموعہ پیش کرتے ہوئے چند صراحتیں ضروری سمجھتا ہوں۔

شاہ ولی اللہ کی مبسوط اور محققانہ سوانح حیات ہم پر ہنوز قرض ہے، پھر بھی ان پر کچھ کام ضرور ہوا ہے لیکن اس خان وادہ گرامی کے دوسرے ارکان پر تو مورخین نے کوئی توجہ نہیں کی ہے۔ شاہ صاحب کے چھوٹے بھائی، شاہ اہل اللہ پھلتی خلیفہ اور جانشین شاہ محمد عاشق پھلتی، صاحب زادوں، شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین اہل شاہ محمد اسحاق، شاہ محمد یعقوب، شاہ محمد مخصوص اللہ، شاہ محمد موسیٰ وغیرہ کے ساتھ تو بے اعتنائی کا خصوصی معاملہ کیا گیا ہے، (کیوں کیا گیا ہے یہ پھر کبھی عرض کروں گا) اور کچھ اس طرح کا نقشہ پیش کیا گیا ہے کہ شاہ ولی اللہ کے صاحب زادہ شاہ عبدالعزیز تھے اور ان کے بعد شاہ محمد اسماعیل ہوئے، بس یہ کل کائنات تھی اس دبستان دین و حکمت کی! حال آنکہ یہ قطعاً خلاف واقعہ ہے اور ایسا کرنے والوں نے ایک خاص مقصد سے ایک تحریک کی شکل میں اور منظم پیمانے پر یہ "کارنامہ" انجام دیا ہے۔

پیش نظر کتاب اس "ظلم بے التفاتی اور بے اعتنائی کی تلافی کی ایک حقیر اور طالب علمانہ کوشش ہے، اس میں آپ پہلی بار شاہ اہل اللہ اور شاہ محمد عاشق پر مفصل مضامین ملاحظہ فرمائیں گے، شاہ صاحب کے مدرسہ کی تاریخ پہلی بار نظر سے گزرے گی، اور شاہ صاحب کے سب سے بڑے فرزند — شاہ محمد کی تو دریافت اور تعارف کی سعادت خاکسار ہی کو حاصل ہوئی ورنہ بیش تر مورخین شاہ صاحب کے چار فرزند لکھتے رہے ہیں۔

شاہ عبدالعزیز اور شاہ محمد اسماعیل پر مضمنا میں میں نے یہ کوشش کی ہے کہ
ان حضرات کے سلسلے میں جو باتیں عام طور سے نگاہوں سے اوجھل تھیں وہ جمع کر دی
ہیں، کیوں کہ ان دونوں حضرات پر کافی لکھا جا چکا ہے۔

طالب علم
حکیم محمود احمد برکاتی

فروری ۱۹۶۳ء

شاہ ولی اللہ کے حالات

شاہ عبدالعزیز کی زبانی

شاہ ولی اللہ دہلوی کی ایک جامع و مبسوط سوانح حیات، محققانہ اور جدید اسلوب پر ترتیب دینے کی ضرورت ہے۔

مآخذ سوانح حیاتِ ولی کا اولین مآخذ تو خود شاہ صاحب ہی کی تحریریں ہوں گی، انفاس العارفین، فیوض الحرمین، الدر الثمین، انتباه فی سلاسل املیا،

اللہ وغیرہ میں بہت سا مواد مل جائے گا۔ الجزء اللطیف کے نام سے تو ایک مختصر سارسالہ ہی شاہ صاحب نے اپنے احوال و سوانح کے طور پر تحریر فرمادیا تھا۔

القول الجلی اس کے بعد سب سے زیادہ اہمیت القول الجلی (فی مناقب الولی) کی ہے جو شاہ صاحب کی حیات ہی میں ان کے بھائی، دوست،

شاگرد اور خلیفہ شاہ محمد عاشق پھلتی نے تحریر فرمایا تھا، خود شاہ صاحب نے الجزء میں اس کا ذکر فرمایا ہے (صفحہ ۱۹۴) یہ رسالہ ۱۹ ویں صدی کے اواخر تک تو دستیاب تھا۔ مولوی رحمن علی اور نواب صدیق حسن خاں نے اپنی کتابوں میں اس سے اقتباس و استفادہ کیا ہے مگر اب عرصے سے نایاب ہے۔

حیاتِ ولی کے مؤلف مولوی رحیم بخش دہلوی کو دستیاب نہیں ہو سکا تھا۔ یہ

علہ خلیق نظامی صاحب نے سیاسی مکتوبات شاہ ولی اللہ کے تازہ ایڈیشن میں اطلاع دی ہے کہ انھوں نے ایک صاحب کے پاس القول الجلی کا مخطوطہ دیکھا ہے۔ ضخیم کتاب ہے۔

شاہ عبدالعزیز اور شاہ محمد اسماعیل پر مضامین میں میں نے یہ کوشش کی ہے کہ
ان حضرات کے سلسلے میں جو باتیں عام طور سے نگاہوں سے اوجھل تھیں وہ جمع کر دی
ہیں، کیوں کہ ان دونوں حضرات پر کافی لکھا جا چکا ہے۔

طالب علم
حکیم محمود احمد برکاتی

فروری ۱۹۶۳ء

شاہ ولی اللہ کے حالات

شاہ عبدالعزیز کی زبانی

شاہ ولی اللہ دہلوی کی ایک جامع و مبسوط سوانح حیات، محققانہ اور جدید اسلوب پر ترتیب دینے کی ضرورت ہے۔

مآخذ سوانح | حیاتِ ولی کا اولین مآخذ تو خود شاہ صاحب ہی کی تحریریں ہوں گی انفاس العارفین، فیوض الحرمین، الدر الثمین، انتباه فی سلاسل اہلیا،

اللہ وغیرہ میں بہت سا مواد مل جائے گا۔ الجزء اللطیف کے نام سے تو ایک مختصر سا رسالہ ہی شاہ صاحب نے اپنے احوال و سوانح کے طور پر تحریر فرما دیا تھا۔

القول الجلی | اس کے بعد سب سے زیادہ اہمیت القول الجلی (فی مناقب الولی) کی ہے جو شاہ صاحب کی حیات ہی میں ان کے بھائی، دوست،

شاگرد اور خلیفہ شاہ محمد عاشق پھلتی نے تحریر فرمایا تھا، خود شاہ صاحب نے الجزء میں اس کا ذکر فرمایا ہے (ص ۱۹۴) یہ رسالہ ۱۹ ویں صدی کے اواخر تک تو دستیاب تھا۔ مولوی رحمن علی اور نواب صدیق حسن خاں نے اپنی کتابوں میں اس سے اقتباس و استفادہ کیا ہے مگر اب عرصے سے نایاب ہے۔

حیاتِ ولی کے مؤلف مولوی رحیم بخش دہلوی کو دستیاب نہیں ہو سکا تھا۔ یہ

علہ خلیق نظامی صاحب نے سیاسی مکتوبات شاہ ولی اللہ کے تازہ ایڈیشن میں اطلاع دی ہے کہ انھوں نے ایک صاحب کے پاس القول الجلی کا مخطوطہ دیکھا ہے۔ ضخیم کتاب ہے۔

رسالہ اگر کہیں سے دریافت کر لیا جائے تو ایک معتبر و معتمد اور نسبتاً مفصل تذکرہ ہوگا۔
شاہ محمد عاشق ہی کی ایک تحریر الخیر الکثیر کے آغاز میں ہے وہ بھی مفید و بکار آمد ہے۔
ملفوظات شاہ عبدالعزیزؒ اس کے بعد میرے خیال میں بڑی اہمیت شاہ عبدالعزیزؒ کے ان اقوال و بیانات کی ہے جو ان کے ملفوظات میں پائے جاتے ہیں۔

شاہ عبدالعزیزؒ کے آخری چند سالوں کے ملفوظات ۱۲۳۳ھ میں ان کے ایک حاضر باش مسترشد نے مرتب کیے ہیں اور ایک ارادت کیش قاضی بشیر الدین میرٹھی نے ۱۳۱۲ھ میں پہلی بار مطبع مجتہبی میرٹھ سے شایع کیے تھے۔

افسوس ہے کہ ان مسترشد کے نام کا پتا نہیں چلتا، ملفوظات کے ناشر کا بیان ہے کہ حاصل شدہ نسخے کی بوسیدگی اور کرم خوردگی کی وجہ سے جامع ملفوظات کا نام پڑھا نہیں جاسکا، ہمارے سامنے ملفوظات کا ایک مخطوطہ بھی ہے مگر اس کے آغاز میں بھی جامع نے مطبوعہ نسخے کی طرح خود کو فقیر تحریر کیا ہے نام لکھا ہی نہیں، ہو سکتا ہے آخر میں جامع نے اپنا نام لکھا ہو اور وہ ناشر سے نہ پڑھا جاسکا ہو مگر مخطوطہ کے آخر میں جامع یا کاتب کا نام درج نہیں ہے البتہ سن کتابت ۱۲۵۰ھ درج ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ شاہ صاحب کے وصال (۱۲۳۹ھ) کے صرف گیارہ سال بعد کا مکتوبہ ہے، یہ نسخہ مولانا نذر علی درد کا کوروی (۴۵۸۱۸ عزیز آباد کراچی) کی ملک ہے، انھیں اپنے والد محمد حبیب علی علوی قادری سے ورثہ میں ملا ہے علوی صاحب نے آغاز میں جامع کے متعلق اپنا قیاس یوں ظاہر کیا ہے: "قابلاً جامع فرمودہ شاہ ادادانی صاحب کہ یکے از خلفائے جید آں جناب (شاہ صاحب) بودند و بسیار مقبول پر خود۔" افسوس ہے کہ ہم شاہ ادادانی صاحب کی شخصیت سے ناواقف ہیں، ممکن ہے کہ ان کے حالات میں ان کی اس تالیف کا سراغ مل جائے، ہمارے فاضل دوست پروفیسر محمد ایوب قادری کا قیاس یہ ہے کہ جامع کا تعلق میرٹھ سے تھا، کیونکہ آغاز ہی میں وہ لکھتے ہیں کہ جب میں شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے اپنے جن دوستوں کے پیغام سلام عرض خدمت کیے وہ میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ (مولوی عسکری صاحب غلام انبیا خاں صاحب شیخ لطف علی شیخ مبارک اللہ ڈیوہ) جامع کا نام علم میں نہ ہونے سے اگرچہ شاہ صاحب کی طرف ملفوظات کی نسبت مشتبہ اور محل نظر ہو جاتی ہے، مگر ہماری ذاتی رائے یہ ہے کہ یہ نسبت صحیح ہے، اولاً تو مطبوعہ نسخے کے علاوہ جو مخطوطہ ہمارے پیش نظر ہے وہ ترتیب ملفوظات اور شاہ صاحب سے بہت قریب العہد ہے، پھر ملفوظات کے اکثر مشتملات کی دوسرے ماخذ (خصوصاً

شاہ ولی اللہ کی تحریروں سے بھی تصویب و تصدیق ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے حواشی میں حسب ضرورت اس کی صراحت کر دی ہے۔

مؤلف کی دیانت کا ثبوت یہ ہے کہ جہاں بھی وہ کسی ملفوظ کو بروقت قلم بند نہیں کر سکے ہیں، انہوں نے اس کا اظہار کر دیا ہے، مثلاً ایک مقام پر نصف ملفوظ نقل کر کے بقیہ نصف نقل کرنے سے پہلے لکھتے ہیں:

”ازیں جائیں قصہ بعد سہ ماہ بموجب یاد خود کہ باعتماد آں سفیدی گزارا شدہ بودم نوشتہ ام“ ص ۱۸

یہاں سے اس قصے کو تین مہینے کے بعد لکھتا ہوں، اپنے حافظے کے بھروسے پر میں نے یہاں جگہ چھوڑ دی تھی۔

یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ہر ملفوظ کو بروقت لکھ لیا کرتے تھے۔ ایک مقام پر شاہ صاحب کی ایک تاریخی تحقیق کا صرف خلاصہ نقل کیا ہے کہ:-

اس وقت بسبب ضیق فرصت بقلم نئی آید مگر یاد است انشاء اللہ العزیز بشرط فرصت و یاد خواہم نگاشت۔ ص ۹۷

اس وقت فرصت نہ ہونے کی وجہ سے (پوری گفتگو) نہیں لکھ رہا ہوں مگر یاد ہے اللہ نے چاہا تو بشرط فرصت و یاد لکھوں گا

اس سے بھی اسی قیاس کی تائید ہوتی ہے کہ وہ دن کے دن لکھ لینے کا اہتمام کر لیتے تھے۔

یہ ضرور ہے کہ ملفوظات کے انداز بیان اور زبان سے ان کے اہل علم ہونے کا مظاہرہ نہیں ہوتا، انداز بیان علمی و ادبی نہیں ہے، زبان (فارسی) مقامی اور غیر معیاری تو ہے ہی مگر بالعموم اغلاط سے بھی خالی نہیں ہے۔

علم کی کمی کی وجہ سے زیادہ تر اشعار لطیفے اور قصص و حکایات نقل کیے ہیں علمی موضوعات پر جن تقاریر کو نگاہیں کتاب میں ڈھونڈتی ہیں وہ نہیں ملتیں حالانکہ شاہ صاحب کی بزم میں زیادہ تر علمی و فنی موضوعات معرض کلام میں آتے ہوں گے اور شاہ صاحب ان پر داد تحقیق دیتے ہوں گے، جامع کو اگر علمی ذوق ہوتا اور ان تقریروں کو سمجھنے کی صلاحیت ہوتی تو ان کو محفوظ کر لیتے تو آج یہ سرمایہ ہمارے لیے بہت منفعت بخش ہوتا۔

علہ مگر معلوم ہوتا ہے بعد میں فرصت نہیں ملی یا یاد نہیں رہا کیوں کہ بعد میں بھی یہ اصل ملفوظ نہیں ملتا۔

بعض ملفوظات کی نسبت کی صحت تسلیم کرنے کی تو ہماری عقیدت کسی طرح اجازت نہیں دیتی، مثلاً ص ۲۱ کا مکالمہ اور ص ۶۷ کا شعر اور ص ۵۵ کی حکایت شاہ صاحب کے وقار و ثقاہت اور ان کی بزم کے تقدس و شایستگی سے اس قسم کے فحش لطیفوں اور عامیانه اشعار کا کوئی میل نہیں ملتا۔

بہر حال شاہ ولی اللہ کے احوال و سوانح کے سلسلے میں کتاب ایک اہم ماخذ ہے۔ کتاب میں جہاں جہاں شاہ ولی اللہ کا ذکر آیا ہے ہم نے انہیں ایک ترتیب سے جمع کر لیا ہے۔ شاہ صاحب کی تاریخ ولادت چہار شنبہ ۱۱۴۱ھ شوال ۱۱۴۱ھ ہے اور تاریخ وفات او بود امام اعظم دیں " اور ہائے دل روزگار رفت " سے نکلتی ہے۔ (۱۱۶۷ھ) ۲۹ محرم وقت نہر۔

والد ماجد کی طرح میں نے کسی کا حافظہ نہیں دیکھا۔

مکہ معظمہ کے سفر کے دوران والد ماجد کو راجپوتانے میں اس بات کی تحقیق ہوئی کہ ایک کھٹل، چھوٹے کھوے کی طرح ہوتا ہے۔ زہر پیلا ہونے کی وجہ سے وہ سبز نظر آتا تھا جس کسی کو ڈنگ مار دیتا تھا وہ مر جاتا تھا۔

جب والد ماجد مکہ معظمہ پہنچے تو حضرت امام حسن کو خواب میں دیکھا، حضرت نے (شاہ صاحب کے) سوچ ایک چادر ڈالی اور ایک قلم عنایت کیا اور فرمایا یہ میرے نانا (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ہے۔ اس کے بعد فرمایا ٹھہریے، امام حسین بھی تشریف لائے ہیں

شاہ ولی اللہ کی تاریخ ولادت و وفات

چہارم شوال و چہار شنبہ ۱۱۴۱ھ بود تاریخ وفات " او بود امام اعظم دیں " دیگر ہائے دل روزگار رفت " بست نہم محرم وقت نہر

شاہ صاحب کا حافظہ مثل والد ماجد حافظہ ندیدہ ام

شاہ صاحب راجپوتانے میں ہنگام سفر مکہ معظمہ حضرت والد ماجد راجپوتانہ ثبوت بیوست کہ یک کھٹل مثل کچھوہ خورد بود از جہت زہر رنگ سبز بنظر می آمد ہر کہ ریش منی زدی مرد ص ۲۱ سیدنا حسن کا قلم | چوں والد ماجد

بمکہ معظمہ رسید حضرت امام حسن راجپوتانہ دید کہ چادرے بر سر انداختند و قلم عنایت کردند و فرمود این قلم جدمن است بعد ازاں فرمود باش کہ امام حسین ہم بیاید چوں آمدند قلم را ترا شیدہ بدت

عہ الجز اللطیف ص ۱۹۳ مطبع احمدی دہلی۔

والد ماجد وادند در آن وقت حال نسبت
و علم تقریر دیگر گویا شد چنانچه مستقیماً
سابق ہرگز احساس نسبت سابق نمی
کردند۔

۸۲-۸۳

جب وہ تشریف لائے تو انہوں نے قلم کو
تراش کر والد ماجد کے ہاتھ میں دیا۔ اسی
وقت سے نسبت باطن، علم اور تقریر کا رنگ
اتنا بدل گیا کہ جن لوگوں نے (شاہ صاحب
سے) پہلے استفادہ کیا تھا وہ سابقہ نسبت
کا احساس تک نہیں کرتے تھے۔

میرے والد نے مدینہ منورہ سے رخصت
کے وقت اپنے استاد سے عرض کیا جس
سے وہ خوش ہوئے کہ میں نے علم دین
یعنی حدیث کے علاوہ جو کچھ پڑھا تھا
اسے بھلا دیا۔

جو پڑھا لکھا تھا تیار نے | پدر من
وقت رخصت از مدینہ از استاد خود
عرض کرد و او خوش شد کہ ہرچہ خواندہ
بودم فراموش کردم الا علم دین یعنی
حدیث۔ ص ۹۳

(علہ انسان العین فی مشایخ الحرمین (انفاس العارفین) ص ۱۹۲ ایس فقیر برائے وداع
نزدیک شیخ ابوطاہر رفت ایس بیت بر خواند نسبت گل طریق کنت اعرفہ۔ الا طریقاً یودینی الا
ربکم، یحرم شنیدن آن بکا بر شیخ غالب آمد و بغایت مشتاق شد۔ فیوض الحرمین (مطبع احمدی
ص ۲۱) میں یہ واقعہ اس طرح ہے :- میں ۱۰ صفر ۱۲۴۲ھ کی رات میں خواب میں دیکھا کہ
حسن حسین رضی اللہ عنہما میرے گھر تشریف لائے ہیں اور حضرت حسنؑ کے ہاتھ میں قلم ہے
جس کی نوک ٹوٹ گئی ہے آپ نے مجھے بخشنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اور فرمایا یہ ہمارے نانا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلم ہے۔ پھر فرمایا (ٹھہرو) تاکہ حسینؑ اُسے ٹھیک کر دیں۔ یہ
قلم ویسا نہیں جیسا حسینؑ نے اسے بنایا تھا۔ پھر حسینؑ نے لے لیا اور مجھے عنایت فرما
دیا۔ جس سے میں خوش ہوا پھر ایک چادر جس پر ایک سفید دھاری تھی اور ایک سبز
ان دونوں کے سامنے لاکر رکھی گئی۔ حضرت حسینؑ نے وہ چادر اٹھائی اور فرمایا یہ میرے
نانا کی چادر ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مجھے اڑھادی، میں نے اُسے اپنے سر پر رکھ لیا
اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا پھر میں خواب سے بیدار ہو گیا۔)

(والد ماجد) چودہ ماہ حریم میں رہے
اور سند حاصل کی بعض مقام پر استاد فرماتے

سند حدیث | چارودہ ماہ در حریم
بود و سند کردہ بعض

جا استاد می فرمود معنی ایں حدیث تو بفرماد
در سند اجازت نوشته سند از من کرد اگر

چہ ہر از من ست علیہ ص ۹۳

تقسیم کار | حضرت والد ماجد ازہر یک
فن شخصے تیار کردہ بودند

طالب ہر فن باوے می سپردند و خود
مشغول معارف گوئی و نویسی می بودند

و حدیث می خوانیدند بعد مراقبہ ہر چہ
بکشف می رسید می نگاشتند مریض ہم

کم می شدند عمر شریف شصت و یک
سال چہار ماہ شد۔ ص ۱۰۰

ضبط اوقات | مثل والد ماجد شخصے
کم بنظر آمد سوائے علوم

و کمالات دیگر در ضبط اوقات، چنانچہ
بعد اشراق کہ می نشست تا دو پہر زانو

بدل نمی کرد و خارش نمی نمود و آب
دہن نمی انداخت ص ۱۰۱

مسیتا | بندہ را عورات "مسیتا" می
گفتند و جہش آل کہ در شب

بست و پنجم رمضان وقت سحر تولد شدہ

تھے اس حدیث کے معنی تم بیان کرو
اور سند میں لکھا کہ انھوں نے مجھ سے سند
حاصل کی ہے، اگرچہ یہ مجھ سے بہتر ہیں۔

حضرت والد ماجد نے ہر ایک فن کے لیے
ایک شخص کو تیار کر دیا تھا اور ہر فن کے طالب

علم کو اس کے (فاضل کے) سپرد کر دیتے تھے
اور حقایق و معارف بیان اور تحریر کرنے

میں مشغول رہتے تھے اور حدیث کا مطالعہ
کرتے رہتے تھے مراقبہ کے بعد جو کچھ کشف

ہوتا تھا اس کو لکھ لیتے تھے، بیمار بھی کم
ہوتے تھے آپ کی عمر اسی سال چار ماہ ہوئی۔

دیگر علوم و کمالات کے علاوہ ضبط اوقات
میں بھی والد ماجد کی طرح کم ہی کوئی آدمی

نظر آیا، اشراق کے بعد جو بیٹھتے
تھے تو پہلو بھی نہ بدلتے تھے، کھاتے

تھے نہ کھوکتے تھے۔

بندہ (شاہ عبدالعزیز) کو عورتیں "مسیتا"
کہتی تھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں ۲۵

رمضان کی شب میں سحر کے وقت پیدا ہوا

علہ سید ظہیر الدین احمد (تاویل الاحادیث ص ۸۷) کے بیان کے مطابق شاہ صاحب ۸ ربیع الثانی

۱۱۳۳ھ کو روانہ ہوئے تھے اور ۹ رجب ۱۱۳۵ھ کو واپس ہوئے (الجزء اللطیف ص ۹۳) اس طرح کل ۲۸

ماہ سفر میں گزرے ان میں سے ۱۷، ۱۸ ماہ آمد و رفت میں گزرے اور ۱۳ ماہ حرمین میں حاضری رہی۔

علہ مسجد کا عوامی تلفظ "مسیتا" ہے، اسی کی نسبت سے "مسیتا" ہے یعنی مسجد والا، جسے مسجد کی نند کیا گیا۔

ہوں، چوں کہ والدین کے بچے بچتے نہیں تھے اس لیے میری بڑی آرزو تھی۔ میری ولادت کے وقت بہت سے بزرگ اور خدائیدہ حضرات مثلاً شاہ محمد عاشق اور مولوی نور محمد وغیرہ اسی مسجد میں معتکف تھے (ولادت کے بعد) مجھے غسل دے کر مسجد کے محراب میں ڈال دیا گیا ان بزرگوں نے مجھے قبول کر کے خدا کی طرف سے انعام (میں واپس) عطا کیا۔

والد ماجد میرے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔

درس وغیرہ میں والد ماجد کی تحریر و تقریر اکثر قص اور لذت بخش و لطف انگیز ہوتی تھی۔

ابتدا میں (جد ماجد کی طرح) والد ماجد پر بھی نسبتِ چشتیت کا غلبہ تھا، بعد میں انقلاب ہوا۔

ایک شخص (متعصب سنی) نے والد ماجد سے شیعہ کے کفر کے متعلق سوال کیا، آپ نے (اس کی مرضی کے خلاف) اس باب میں احناف کا اختلاف بیان فرمایا (یعنی کفر پر اتفاق نہیں ہے) اس نے دوبارہ دریافت کیا اور وہی جواب پایا تو میں نے سنا ہے کہ لگا کہ یہ (خود) شیعہ ہیں۔

بودم چوں والدین را کو دک بسیار مردہ بودند مگر برلے من آرزو کماں بود دران ہنگام بزرگان بسیار و اولیا بسیار از یاران والد ماجد مثل شاہ محمد عاشق و مولوی نور محمد وغیرہ معتکف مسجد ہذا می بودند پس مارا غسل دادہ در محراب انداختند گویا نذر خدا کردند پس بزرگان مارا قبول کردہ از طرف خدا انعام کردند ص ۱۰۹

شفقت پدری | والد ماجد بے بندہ طعام نمی خوردند ص ۳

شاہ صاحب کی تقریر | تقریر والد ماجد در درس

وغیرہ و تقریر اکثر مرقص می شد ص ۵۵
نسبت چشتیت | در ابتدا والد ماجد ہم ہوں

غالب بود بعد از ان انقلاب شد ص ۸۲
شاہ صاحب اور شیعیت | شخصے از والد ماجد

مسئلہ تکفیر شیعہ پر سید آل حضرت اختلاف حنفیہ دیوں باب کہ است بیان کردند چوں مکرر پر سید ہماں شنید شنیدم کہ می گفت کہ ایں شیعہ است

ہمارے بعض قریبی اعزہ عالی
شیعی ہیں۔

بعضے از اقربا
قریبہ ماشیعیہ

غالی اند۔ ص ۳۷

کرامت | در وقت طفلی بیمار
بودم حکیم تداوی می

کرد صحت یاب شدم والد ماجد آں
را حکم فرمودند کہ ماراجوں خوش ساختی
بجو در حق تو دعائے کنم ہر چند خلاف
وضع شریف بود لیکن فرمودند عرض کرو
کہ نوکر شوم در ہموں ہر گام بلکہ شب
صدر و پیہ رابع سواری تعیناتی نوکر شد
چوں آمدہ عرض کرد آں حضرت از زبان
مبارک فرمودہ ہمت شہا قاصر بود کہ بر دنیا
اک ہم حقیر اکتفا کردید۔ ص ۴۳-۴۴

طب | حکمت ہم در خاندان ماسول
بود چنانچہ جد بزرگ دار
و عم فقیر و وامی کردند والد ماجد و
بند موقوف ساختہ : ص ۲۲

ہر چند کہ والد ماجد مابنا برد و او
طبابت بحسب مصلحت دیگر منع فرمودہ
بودند لیکن خوب چیز است گویا جان
بخشی۔ ص ۴۲

میں لڑکپن میں بیمار تھا ایک حکیم
صاحب نے علاج کیا میں صحت مند
ہو گیا ، والد ماجد نے اپنی وضع کے خلاف
ان سے کہا ، بتائیے میں آپ کے حق میں
(کیا) دعا کروں ؟ کہا :- میں نوکر ہوا ہوں
اسی زمانے میں بلکہ اسی رات سو روپیہ
تنخواہ (معہ سواری) پر نوکر ہو گئے جب
حکیم صاحب نے آکر بتایا تو حضرت
نے زبان مبارک سے فرمایا آپ
کا حوصلہ ہی پست تھا کہ دنیا اور
وہ بھی اس کے حقیر حصے پر اکتفا کی ،
ہمارے خاندان میں طب کا بھی مشغلہ
تھا چنانچہ جد بزرگ وار (شاہ عبدالرحیم)
اور عم فقیر (شاہ اہل اللہ) مطب کرتے
تھے والد ماجد اور میں نے یہ سلسلہ موقوف کیا
اگرچہ والد ماجد نے کسی مصلحت سے
علاج اور مطب کرنے سے روک دیا
تھا لیکن (یہ طب) ہے خوب چیز گویا
(بعض حالات میں تو) جاں بخشی ہے۔

علہ مثلاً میر قمر الدین منت جو شاہ صاحب کے قریبی عزیز اور شاگرد بھی تھے شاہ صاحب نے عجلالہ نافعہ

ان ہی کے لیے لکھا تھا۔ علہ و طب حدس ایشاں بغایت سلیم در سا بود بولق الولیات از شاہ ولی اللہ ص ۵۵
علہ شاہ اہل اللہ ص ۱۸۶۔

شاہ صاحب کی غزل | مدار بخش نامی ایک قوال کی درخواست پر شاہ صاحب^{۱۵} کی ایک غزل عنایت فرمائی۔

عاشق شوریدہ ام یا عشق باجان نام
اصطلاح شوق بسیارست ومن دیوانہ ام
جذبہ اصل است سرشورش مستانہ ام
درہنا و طبع آتش مینزند پر وانہ ام
درازل پیش از زمان تعمیر شد میخانہ ام

من ندانم بادہ ام یا بادہ را پیمانہ ام
بتلائے حیرتم جاں گوئمت یا جانِ جاں
میل ہر عنصر بود سوہ مقرر اصلیش
شوق موسیٰ درظہور آورد نارِ طور را
اے ایکن! بر مسیتم نام تجد و تہمت است
ایک اور غزل :-

درنمانی قامت خود سرور اموزوں شود
جذبہ لیلیٰ مدارد بید اگر مجنوں شود!
شیشہ اگر خالیست گربادش سرد و بیزوں شود

گر بگلش بگذری گل بر رخت مفتوں شود
کار با معنی ست دانارازہ بانام و نشان
مرد مفلس را جہاں یکسر محل آفت ست
ایک رباعی :-

بس در دیزہ کناں زمانے یک نفسے
وز آتش دادی مقدس قبسے

در صحبت اہل دل رسیدیم بے
از چشمہ آب زندگانی قدحے
ایک قطعہ :-

اپنے والد ماجد (شاہ ولی اللہ) کے کہیں
تشریف لے جانے اور ایک لڑکے کے شیخ
آدم بنوری کی شان میں گستاخی کرنے اور
والد ماجد کی ناراضی کا ذکر کر کے ان کا یہ
قطعہ پڑھا

در تعریف تشریف بردن والد
ماجد خود وہ گفتن صاحب زادہ در حق
شیخ آدم بنوری و ناراضی شاں

عہ حیات ولی (ص ۵۵) میں اس غزل کے حسب ذیل دو اشعار کا اضافہ ہے باجمال دز تیش حسن دگر
در کار شد چشم اور از اور اشانہ ام غافل از خود ماند از صورت چو بر شد آئینہ تا ترا بشنا ختم جان از خود بیگانہ ام
مگر ملفوظات کا شعر حیات ولی میں نہیں ہے۔ عہ بید مخوں پر شاہ عبد العزیز نے بھی طبع آزمائی فرمائی تھی
زنارک طبع غیر از خونمانی بانہی آید درخت بید را دیدیم کہ دائم بے ثمر باشد ص ۵۵ مگر حیات ولی میں اس شعر کو شاہ ولی
صاحب کی طرف منسوب کیا ہے۔ ص ۵۵۔

شخصے بخوردہ گیری ما عاجزاں فتاد
گفتم کہ حرف راست بگویم ز مار بنج

وصیت نامہ | ارشاد شد کہ وصیت
نامہ والد ماجد نقل

کردہ بگیزند بسیار نافع است

مسلك فقہی | دریں مقدمہ اختیار
حضرت والا خوب

است یعنی اگر یکے از مجتہداں بآں عمل
کردہ باشد ترجیح حدیث است عمل
کنند والا ترک دہد چرا کہ خالی از سبب
سکوت ہمہ ہا نیست و ایں چنین
شاید چہار حدیث خواہند بود۔

۹۱

ایک فتوا | آل حضرت فرمود کہ
از ابی داؤد حدیث

نقل می کنند کہ اک حضرت جامہ خون
آلود حیضی زنی را برائے صفائی از
نمک شستن فرمودہ بود چوں نمک
ہم چیز محترم است و طعام ہم محترم
پس درست شد کہ از آرد وغیرہ اگر

زاں رو کہ در طریقہ مخدوم آدمیم
تو آدمی بنودی و ما آدمی شدیم
فرمایا:۔ والد ماجد کار سالہ وصیت
نامہ نقل کر کے رکھیں بہت مفید
ہے۔

اس (تقلید کے) مسئلہ میں والد ماجد کا
مسلك خوب ہے کہ اگر ائمہ مجتہدین میں
سے کسی ایک نے بھی اس حدیث پر عمل
کیا ہو تو ترجیح حدیث کو دی جائے گی ورنہ
حدیث کے بجائے قول مجتہد پر عمل کیا جائے
گا اس لیے کہ تمام ائمہ مجتہدین کا سکوت اس
حدیث پر عدم عمل بے سبب نہیں ہو سکتا
اور اس قسم کی شاید تعداد میں چار ہوں گی جن پر

کسی ایک امام کا بھی عمل نہ ہو
(اس سوال پر کہ کھانے کے بعد آٹے سے
ہاتھ دھونے کا کیا حکم ہے؟) آپ نے فرمایا
ابو داؤد سے منقول ہے کہ آل حضرت
نے ایک عورت کے خون حیض سے آلودہ
کپڑوں کو نمک سے دھو کر صاف کرنے
کا حکم دیا تھا اور چوں کہ نمک محترم ہے
اور کھانا بھی اس لیے آٹے وغیرہ سے چاک

عہ وصیت نامہ المقاتہ الوصیۃ فی النفیۃ والوقیۃ کے نام سے فارسی میں ایک مختصر رسالہ ہے جو
سالہ میں ہنگلی (ہنگالی) سے پہلی بار شائع ہوا تھا۔ حال میں ہمارے فاضل دوست پروفیسر محمد ایوب قادری
ایم اے نے یہ وصیت نامہ مترجم چند دوسرے وصیت ناموں کے ساتھ وصا ہائے اربعہ کے نام سے مرتب
کیا ہے اور شاہ ولی اللہ اکیڈمی کی طرف سے شائع ہوا۔

چہ آرد گندم باشد درست باید شست
لیکن چیز ہائے دیگر سوائے طعام کہ
دریں مادہ بکاری برند بہتر است
والا آرد ہم جائز باشد۔ ص ۹

ایک جزیرہ | شخصے از قبلہ گاہی عرض
می کرد کہ در جزیرہ

رفتہ بودم انجا سوائے نارجیل و ماہی
از قسم طعام نمی شود مگر این کہ از ملک
دیگر برند چنان چہ آن کس را ہشتاد و
دو طعام از ترکیب ہمیں دو پریدن
می دانم؛ ص ۱۱۸

چین میں بلی | در ملک چین گربہ
کم ترمی باشد و موش

با بسیار جبری شخصے از والد ماجد نقل می
کرد کہ ہم راہ من گربہ بود تا جائے کہ در
چین می روند رفتیم دیدم کہ گلولہ بازاں
در وقت طعام راجہ برائے رفع موشاں
می استادندی گفتم جانورے در ہند بہ
پانصد روپیہ می آید از آواز ش موشاں
می رمند چنانچہ فرو ختم از آواز ش بالکل
موشاں رمیدند۔ ص ۱۱۸

عذاب قبر | قصہ عجیب است پیش
حضرت والد ماجد تقسم
غلیط می گفت یعنی کشمیریے بطرف ملک

وہ گیہوں کا اٹھایا کیوں نہ ہو ہاتھ دھونا
درست ہے لیکن کھانے کی چیزوں کے
علاوہ دوسری چیزوں سے جو اس کام میں
لائی بھی جاتی ہیں ہاتھ دھونا بہتر ہے۔

ایک شخص نے حضرت قبلہ سے عرض کیا
کہ میں ایک جزیرہ میں گیا تھا، وہاں
کھوپرے اور ٹھیلی کے علاوہ کھانے کی
اور چیز دستیاب نہیں ہوتی لہذا یہ کہ کسی
دوسرے مقام سے لے آئیں، چنانچہ اس
شخص کو بیسی قسم کے کھانے ان ہی دو
چیزوں سے پکانا آتے تھے۔

چین میں بلی بہت کم ہوتی ہے اور چوہے
بڑے دلیر ہوتے ہیں۔ ایک شخص نے
والد ماجد سے بیان کیا کہ میرے ساتھ ایک
بلی تھی اور چین میں جہاں تک جاتے ہیں
(جاسکتے ہیں) میں گیا، میں نے دیکھا راجہ
کے کھانے کے وقت گلولہ باز چوہوں کو
بھگانے کے لیے کھڑے رہتے ہیں میں نے
کہا ہندستان میں ایک جانور پانچ سو روپیہ
میں آتا ہے، اس کی آواز سے چوہے بھاگ
جاتے ہیں، چنانچہ میں نے بلی وہاں بچ رہی
اور اس کی آواز سے چوہے بھاگ گئے۔

حضرت والد کے سامنے سخت قسم کھا
کہ ایک عجیب و غریب قصہ بیان کیا
ایک کشمیری ملک دکن کی طرف گیا اور

دکن رفتہ پیش راجہ در فرقہ باورچیاں نوکر
شد بعد مردنش موافق دستور آل جامنجد
جماعہ خدام خاص این کس را ہم در سردانہ
بہ نہادند، چہ می بنید وقت شب دو فرشتہ
مہیب چنانچہ در حدیث آمدہ است آمدند
از خوف آنہا بگوشہ رفتم معلوم نیست
مارا چہ سوال و جواب شد آخرش اورا
می زدند اعضایش ریزہ ریزہ شدند
ماہم بے ہوش شدیم و بعضی مردن من
کلمہ می خواندم و فرشتہا جانب من دیدند
و مارا بعد از گفتن کہ چرا آمدہ بودی در
کشیم رسانیدند پارچہ از اعضایش کہ
بہ بدن من ریزہ شدہ رسیدہ بود سوزش
آں نمی زفت ہر چند معالجہ کردم بہ نمی شد
در دہلی آمدم پیش بزرگاں و اطبا رجوع
کردم ہیچ فائدہ نہ شد مگر عم شما ابورضا
محمد درود فرمودند تا چنیکہ بردست
نفس زدہ بر آں می مالیم تسکین می نمایند
سخت تنگ ہستم۔

۴۹/۱۴۵

راجہ کے یہاں باورچیوں میں ملازم ہو گیا
اس کے مرنے کے بعد وہاں کے دستور کے
مطابق دوسرے خاص خادموں کی نعتش کے
ساتھ سرد خانے میں رکھا۔ کیا دیکھا کہ کلت
کے وقت دو فرشتے ڈراونی صورت جیسا
کہ حدیث میں آیا ہے آئے۔ میں ان کے
خوف سے ایک کونے میں چلا گیا۔ مجھے
معلوم نہیں کیا سوال و جواب ہوئے آخر
کار اس کو مارتے تھے اس کے اعضا ریزہ
ریزہ ہو گئے۔ میں بھی بے ہوش ہو گیا
میں کلمہ پڑھتا تھا اور فرشتے میری جانب
دیکھتے اور دریافت کرنے کے بعد کہ یہاں
کیوں آیا کشمیر پہنچا دیا، اس کے اعضا
جو ریزہ ریزہ ہو گئے تھے، اس میں سے
ایک ٹکڑا میرے جسم کو لگ گیا اس کی
سوزش نہیں جاتی، بہت کچھ علاج و
معالجہ کیا لیکن فائدہ نہ ہوا، دہلی آیا ہوں
بزرگوں اور طبیبوں کی طرف رجوع کیا لیکن
کوئی فائدہ نہ ہوا آپ کے چچا ابورضا محمد
نے فرمایا کہ اس طرح درود شریف پڑھ کر
ہاتھ پر دم کرتا ہوں اور اس جگہ ملتا
ہوں اس سے تسکین ہوتی ہے بہت
زیادہ تنگ ہوں۔

سنین حیات شاہ ولی اللہ

۱۷۰۲ھ	۱۱۱۴ھ	ولادت ۴ شوال
۱۷۰۸-۶	۱۱۱۹ھ	ولادت برادر خورد شاہ اہل اللہ
۱۷۰۶-۴	۱۱۱۸ھ	رسم "مکتب"
۱۷۱۰-۹	۱۱۲۱ھ	تعلیم نماز پہلا روزہ، ختم قرآن
۱۷۱۲	۱۱۲۲ھ	شرح جامی
۱۷۱۵	۱۱۲۸ھ	ازدواج
۱۷۱۵	۱۱۲۸ھ	وفات خوش دامن
۱۷۱۶	۱۱۲۹ھ	بیعت
۱۷۱۶	۱۱۲۹ھ	فراغت درس، اجازت تدریس
۱۷۱۹	۱۱۳۱ھ	اجازت بیعت و ارشاد
۱۷۱۹	۱۱۳۱ھ	وفات والد (شاہ عبدالرحیم) ۱۲ صفر
۱۷۳۰	۱۱۴۲ھ	اجازت بنام شیخ بدر الحق پھلتی
۱۷۳۱	۱۱۴۳ھ	آغاز سفر حج ۸ ربیع الثانی
۱۷۳۳	۱۱۴۵ھ	مراجعت وطن ۱۴ رجب
۱۷۳۴	۱۱۴۶ھ	اجازہ بنام شیخ نوالہ
۱۷۳۵	۱۱۴۸ھ	تالیف ہمعات
۱۷۳۸	۱۱۵۱ھ	تفسیر فتح الرحمن

۶۱۶۲۰	۱۱۵۳ھ	اجازہ بنام مولوی محمد شریف
۶۱۶۲۲	۱۱۵۵ھ	اجازہ بنام شاہ محمد عاشق
۶۱۶۲۳	۱۱۵۴ھ	قصیدہ الطیب النغم
۶۱۶۲۴	۱۱۵۶ھ	عقد ثانی
۶۱۶۲۴	۱۱۵۶ھ	قصیدہ ہمزئیہ
۶۱۶۲۵	۱۱۵۸ھ	اجازہ بنام خواجہ محمد امین کشمیری
۶۱۶۲۴	۱۱۵۹ھ	اجازہ بنام شیخ محمد بن پیر محمد
۶۱۶۲۴	۱۱۵۹ھ	ولادت شاہ عبدالعزیز
۶۱۶۲۶	۱۱۴۰ھ	اجازہ بنام مولوی عبدالرحمن
۶۱۶۲۸	۱۱۴۱ھ	تبیین الخیر الکثیر
۶۱۶۲۹	۱۱۴۳ھ	ولادت شاہ رفیع الدین
۶۱۶۵۳	۱۱۴۶ھ	ولادت شاہ عبدالقادر
۶۱۶۵۸-۶	۱۱۴۱ھ	ولادت شاہ عبدالغنی
۶۱۶۴۰-۵۹	۱۱۴۳ھ	اجازہ بنام شیخ جار اللہ
۶۱۶۴۱	۱۱۴۵ھ	ولادت امتہ العزیز
۶۱۶۴۲	۱۱۴۶ھ	وفات

حیات شاہ ولی اللہ کے چند خاص ماخذ

معاصر ماخذ:

الروضۃ القیومیہ از ابو الفیض کمال الدین محمد احسان	
مقامات مظہری	از شاہ غلام علی مطبوعہ ۱۸۹۱ء
مناقب فخریہ	از نواب غازی الدین خاں مطبوعہ ۱۳۱۵ھ ۶۱۸۹۶
فخر الطالبین	از نور الدین حسین فخری
القول الجلی (تلمی)	شاہ محمد عاشق

	مقدمہ الخیر الکثیر	شاہ محمد عاشق
	مکتوبات شاہ ولی اللہ (قلمی)	مرتبہ شاہ عبدالرحمن و شاہ محمد عاشق
	سیاسی مکتوبات (شاہ ولی اللہ)	مرتبہ خلیق احمد نظامی
	مکتوبات مع مناقب امام بخاری	مرتبہ خواجہ محمد امین ولی اللہی - مطبوعہ بر احمدی دہلی
	انفاس العارفين	شاہ ولی اللہ (بشمول الخیر اللطیف) مطبع احمد دہلی
۶۱۸۹۸	مکتوبات المعارف	۱۳۱۴ھ
۶۱۸۱۶	ملفوظات شاہ عبدالعزیز	تالیف ۱۲۳۳ھ
		مطبوعہ ۱۳۰۴ھ
۶۱۸۳۱	وقائع عبدالقادر خانی	مرتبہ محمد ایوب قادری تالیف
۶۱۸۴۶	آثار الصنادید	سر سید احمد خاں تالیف
۶۱۸۶۳	ایباغ الجنی فی اسانید الشیخ عبدالغنی	از محسن ترمذی
۶۱۸۶۳	کمالات عزیزی	نواب مبارک علی خاں
۶۱۸۶۳	مقالات طریقت	عبدالرحیم ضیا
۶۱۸۸۰	ابجد العلوم	نواب صدیق حسن خاں
۶۱۲۹۹	اتحاف النبلاء	"
"	الحط بذكر الصحاح الستہ	"
"	حدائق الحنفیہ	فقیر محمد جمہلی
۶۱۸۹۰	تذکرہ علماء ہند	رحمن علی
۶۱۸۹۲	مقدمہ فتاویٰ شاہ عبدالعزیز	از مرزا محمد بیگ دہلوی مطبوعہ
۶۱۸۹۲	یادگار دہلی	سید احمد ولی اللہی
"	خاتمہ تاویل الاحادیث	"
"	خاتمہ تکملہ ہندی	"
"	حالات عزیزی	"
۶۱۸۹۹	حیات عزیزی	رحیم بخش دہلوی
۶۱۹۰۱	حیات ولی	

۶۱۹۱۹	بشیر الدین احمد	واقعات دارالحکومت دہلی
۶۱۹۲۳	مولوی عبدالحئی	نزہتہ الخواطر
۶۱۹۲۵		امیر الروایات
۶۱۹۳۳	عبدالوہاب دہلوی مکی	التحفة الدہلویہ
۶۱۹۴۰		الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر
۶۱۹۴۰ اور بعد		تصانیف مولانا عبید اللہ سندھی

تصانیف شاہ ولی اللہ

۶۱۸۶۹/۱۲۸۵	مطبع ہاشمی میرٹھ	تصانیف مطبوعہ :
۶۱۸۳۲/۱۲۴۹	مطبع احمدی ہوگلی	تفسیر فتح الرحمن
"	"	الفوز الکبیر فی اصول التفسیر
"	"	فتح الجبیر (الفوز الکبیر کا باب پنجم)
"	"	تاویل الاحادیث
"	"	مقدمہ در فن ترجمہ قرآن
۶۱۸۶۴/۱۲۹۳	مطبع فاروقی دہلی	المصنف شرح موطا جلد اول
۶۱۸۶۴/۱۲۹۳	مطبع مرتضوی دہلی	المستوی شرح موطا عربی
۶۱۸۶۴/۱۲۹۳	"	المصنف، فارسی
۶۱۸۳۸/۱۲۵۴	مطبع احمدی ہوگلی	چہل حدیث
۶۱۸۶۵/۱۲۹۲	سہارن پور	الدر الثمین
"	"	النوادیر
"	"	الارشاد الی مہمات الاسناد
۶۱۸۸۸/۱۲۹۲	سہارن پور	تراجم ابواب بخاری

عہ بم صرف پہلی اشاعتوں کا ذکر کریں گے۔

۱۱۸۵۹

حیدرآباد دکن ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۷ء	شرح تراجم بعض ابواب بخاری
مطبع احمدی دہلی ۱۳۱۱ھ / ۱۸۹۴ء	انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ
۱۹۴۹ء	اتحاف النبیہ (انتباہ کے باقی دو ابواب)
مطبع صدیقی بریلی ۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۹ء	حجۃ اللہ البالغہ
مجلس علمی ڈابھیل ۱۳۵۲ھ	البدور البازغہ
مطبع صدیقی بریلی ۱۳۰۷ھ	الانصاف فی بیان سبب الاختلاف -
۱۳۰۹ھ	عقد الجید
مطبع مجتہائی دہلی ۱۳۱۰ھ	قرۃ العینین
مطبع احمدی دہلی	حسن العقیدہ
مطبع احمدی ہوگلی (سال طباعت ندارد)	وصیت نامہ
ناشر مولوی سید عبدالغنی دہلی (سن ندارد)	تفہیمات الہیہ حصہ اول (ناقص)
مجلس علمی ڈابھیل ۱۹۳۴ء	(مکمل) -
۱۳۵۲ء	الیزالکیر
مطبع احمد دہلی ۱۳۰۸ء	فیوض الحرمین
مطبوعہ	القول الجمیل
۱۹۴۱ء	ہمعات
ناشر مولانا نور الحق علوی لاہور	لمحات
شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ (سن ندارد)	سطحات
مطبع احمدی دہلی ۱۳۰۷ھ	الطاف القدس
"	ہوامع
"	کشف الفین فی شرح رباعیین
مطبع مجتہائی دہلی ۱۳۱۰ھ	سمور المحزون
دارالاشاعت کراچی ۱۳۵۸ھ	ازالۃ الخفا
مطبع صدیقی بریلی ۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۹ء	

عہ اس سے پہلے کئی بار طبع ہو چکی ہے۔

عہ اس سے پہلے کئی بار طبع ہو چکی ہے۔

انفاس العارفين مع الجز اللطيف مطبع احمدی دہلی (سن ندارد) تقریباً ۱۳۱۴ھ
الستر المکتوم

سیاسی مکتوبات مرتبہ خلیق احمد نظامی دہلی ۱۹۵۰ء

مکتوبات المعارف مطبع مطلع العلوم سہارن پور ۱۳۰۴ھ

مکتوبات مع مناقب امام بخاری مطبع احمدی دہلی ۱۳۰۸ھ

قصیدہ الطیب النغم مطبع مجتہائی دہلی ۱۳۰۸ھ

قصیدہ ہمزیہ

صرف میر منظوم مطبع محمدی لاہور ۱۲۹۳ھ

رسالہ دانش مندی مطبع احمدی دہلی ۱۸۹۹ء

تصانیف غیر مطبوعہ

(۱) المقدمة السنیة فی اتصاار الفرقة السنیة (شیخ مجدد کے ایک فارسی رسالہ رد و افض
ن تعریف مع یک تمہید) کتب خانہ سعیدیہ ٹونگ میں اس کا ایک نسخہ ہے۔

(۲) دعاء الاعتصام شاہ عزیز نے رسالہ فیض عام (مشمولہ فتاویٰ شاہ عبدالعزیز ص ۱۸۱) میں
اس کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ شاہ عاشق نے اس کی شرح لکھی تھی، شاہ ولی اللہ
نے اس شرح کی ایک منظوم تقریظ بھی لکھی تھی۔

(۳) النخبہ فی سلسلۃ الصحبہ، شاہ ولی اللہ نے شاہ جار اللہ کو ۱۱۷۳ھ میں جو سند اجازہ
دی تھی اس میں اپنی تصانیف میں اس کا بھی ذکر کیا ہے۔ (المسوی طبع مکہ معظمہ،
مقدمہ ص ۵۳)

(۴) مجموعہ مکاتیب۔ شاہ محمد عاشق کے فرزند شاہ عبدالرحمن نے شاہ ولی اللہ کے
مکاتیب کا ایک مجموعہ ترتیب دیا تھا، ان کی وفات تک ۲۸۱ مکاتیب جمع ہوئے
تھے شاہ عاشق نے اس حصے کو جلد اول قرار دے کر دوسری جلد کا آغاز کیا اور
اس میں مزید، خطوط جمع کیے اس طرح ۳۵۸ خطوط ہو گئے، یہ مجموعہ مکاتیب مولانا
مرتضیٰ حسن چاند پوری کے کتب خانے میں ہے، پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اسی
میں سے سیاسی خطوط کا انتخاب شائع کیا ہے۔ (سیاسی مکتوبات، مقدمہ)

(۵) "الفضل المبین فی المسلسل من الحدیث النبوی الامین" اس کتاب کا ذکر شاہ صاحب

نے اپنی ایک سند مرقومہ ۱۱۵۹ھ بنام شیخ محمد بن پیر محمد بن شیخ ابو الفتح میں کیا ہے جو کتب خانہ بانگی پور میں صحیح بخاری کے ایک نسخے پر مرقوم ہے اور جس کا عکس اخیر الیکٹرونک مطبوعہ ڈابھیل کے آغاز میں ہے۔

(۶) حاشیہ رسالہ لبس احمر، شاہ عبدالعزیزؒ نے شاہ صاحب کے اس رسالہ کا ذکر فرمایا ہے (فتاویٰ شاہ عبدالعزیز ص ۱۲۸)

(۷) اسرار فقہ

(۸) منصور۔ ان دونوں کتابوں کا ذکر مولانا سید محمد نعمان رائے بریلی نے اپنے ایک مکتوب بنام شاہ ابوسعید رائے بریلوی میں کیا ہے (الفرقان صفر ۱۳۸۵ھ مولانا

نسیم احمد فریدی)

(۹) فتح الودود فی معرفۃ الجنود

(۱۰) شفاء القلوب

(۱۱) عوارف

(۱۲) واردات

(۱۳) نہایات الاصول

(۱۴) الانوار المحمید

(۱۵) فتح السلام

(۱۶) رسالہ در ذکر روافض در رد گوہر مرادؒ

(۱۷) کشف الانوار۔ (۹ سے ۱۷ رسالے یا کتب کا ذکر عبدالرحیم ضیاء نے مقالات

طریقت ص ۹ پر کیا ہے، ۱۷ سے ۱۸ تک کے رسالے یا کتب کے صرف اسماء

ہی معلوم ہیں نہ صرف یہ کہ یہ طبع نہیں ہوئے بلکہ یہ تک معلوم نہیں کہ مخطوطات کی

شکل میں کہاں کہاں پائے جاتے ہیں؟

تلامذہ و مریدین شاہ ولی اللہؒ

خاتمہ تکملہ ہندی ص ۴۸

شاہ اہل اللہ پھلتی

علہ گوہر مراد عبدالرزاق لاہی شاگرد صدر شیرازی کا رسالہ ہے۔

شاہ محمد عاشق پھلتی

شاہ عبدالعزیز

شاہ رفیع الدین

خواجہ محمد امین ولی اللہی

قاضی شہناز اللہ پانی پتی

مخدوم محمد معین توی

مولوی مخدوم لکھنوی

مولوی رفیع الدین مراد آبادی

مولوی امین اللہ نگر نہوی

جار اللہ بن عبدالرحیم لاہوری ثم المدنی

عبدالہادی

شاہ ابوسعید رائے تریلووی

سید مرتضیٰ زبیدی بلگرامی

شیخ محمد بن ابی الفتح بلگرامی

قر الدین منت

نور اللہ بن معین الدین پھلتی

محمد شریف بن خیر الدین بن عبدالغنی

اکھانہ کوٹ (سندھ)

حافظ عبدالرحمن توی

شیخ بدر الحق پھلتی

محمد عابد بن علاء الدین پھلتی

میاں داؤد

مولانا خیر الدین سورتی

تفہیمات الہیہ جلد اول ص ۱۳

عجالتہ نافعہ

فتح الرحمن، مکتوبات مع مناقب ص ۲۹

مکتوب قاضی صاحب در کلمات طببات ص ۱۵۸

استقصاء الافہام ص ۵ از مولوی حامد حسین کنتوری

مکتوبات مع مناقب ص ۲۶ التحفۃ الدہلویہ

تذکرہ علماء ہند ص ۲۲۳

حدائق الحنفیہ ص ۲۴۳ نرہتہ الخواطر ص ۱۸۲

نرہتہ الخواطر ص ۴۵ تاریخ مدرسہ مجالس ص ۱۸۶

المسویٰ طبع مکہ ص ۵۳

معارف اعظم گڑھ (مولانا منظور الحسن برکاتی)

خاتمہ تاویل الاحادیث ص ۸۸ نرہتہ الخواطر

التحفۃ الدہلویہ طبع مکہ -

التحفۃ الدہلویہ

فخر الطالبین ص ۲۰

تفہیمات الہیہ جلد اول ص ۱۳

ص ۱۰۲ " " "

" " "

ص ۲۳۶ " " "

جلد ثانی ص ۲۳۶ " " "

جلد اول ص ۱۳ " " "

فخر الحسن از مولانا فخر الدین دہلوی

تراجم علماء حدیث

علم و عمل ص ۱۴۴	سید جمال الدین رام پوری
تراجم علماء حدیث	مخدوم محمد امین والد محمد معین تتوی
"	شیخ محمد بن پیر محمد بن ابی الفتح
"	عبداللہ خاں رام پوری
"	محمد سعید خاں رام پوری
"	شاہ نثار علی الہ آبادی شہ مظفر پوری
مکتوبات مع مناقب ص ۹	شیخ ابراہیم آفندی
خاتمہ تاویل الاحادیث ص ۵۵	حافظ عبدالنبی عرف عبدالرحمن
"	سید شرف الدین محمد
مقالاتِ طریقت ص ۲۴۶	مرزا ستم علی بیگ (مرید)
مقالاتِ طریقت ص ۱۳	بابا فضل اللہ کشمیری
حدائقِ الخنضیر ص ۴۵۶	بابا محمد عثمان کشمیری

شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان

کی تحریرات میں تحریفات

فتنہ تاتار اور زوال ملک مستعصم سے ما قبل کے علما اور مصنفین کی کتابیں نایاب اور ناپید ہو گئیں تو اس کا سبب ظاہر ہے اور اسی سبب کے زوال کی بنا پر مابعد فتنہ کے علما و مصنفین میں سے بیش تر کی بیش تر کتابیں آج کہیں کہیں دستیاب ہیں۔ لیکن جو معاملہ شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کی تالیفات کے ساتھ ہوا وہ اپنی نظر آپ ہے، کہا جاسکتا ہے کہ سقوط دہلی (۱۸۵۷ء) کے اثرات کو اس میں دخل ہو گا مگر یہ بات اس لیے قرین صحت نہیں ہے کہ ان حضرات کی تالیفات کی کمیابی و نایابی اور ان میں تحریفات کا سلسلہ تو سقوط دہلی سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا، ۱۸۲۴ء میں سید عبداللہ بن بہادر علی نے مطبع احمدی ہو گلی سے الفوز البکیر شائع کی تو انھیں اس کتاب کا صرف ایک نسخہ ملا تھا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ سقوط دہلی سے ۲۳ سال پہلے ہی شاہ صاحب کی کتابیں کمیابی تھیں کیوں کہ سید عبداللہ اس خانوادے کے نماز مندوں میں سے تھے اور ان کے اکابر حلقے سے مراسم تھے۔ مطبع احمدی بھی صرف اسی حلقے کی کتابوں کی اشاعت کے لیے قائم کیا تھا۔

شاہ صاحب کی کتابوں کی نایابی کا یہ عالم ہے کہ تقریباً ۱۲ رسائل و کتابچے ایسے ہیں جن کے صرف ناموں ہی کی حد تک دنیا ان سے واقف ہے۔ آج تک کم سے کم خاکسار کے علم میں ان کتابوں کا کوئی مخطوطہ نہیں ملے : (حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھیں)

(۱) فتح الرود فی معرفۃ الجنود (۲) شفا القلوب (۳) عوارف (۴) نہایات الاصول
(۵) الانوار المحمدیہ (۶) فتح السلام (۷) کشف الانوار (۸) اسرار فقہ (۹) منصور (۱۰) حاشیہ
رسالہ لبس احمر (۱۱) دعاء الاعتصام (۱۲) النخبہ فی سلسلۃ الصحبہ -

دو کتابیں نایاب تو نہیں ہیں یعنی ان کے ایک ایک مخطوطے کا دنیا کو علم ہے مگر
وہ ابھی تک غیر مطبوع ضرور ہیں (۱) المقدمۃ السنیہ فی اتھار الفرقتہ السنیہ (۲) مجموعہ
مکاتیب (مرتبہ شاہ عبدالرحمن و شاہ محمد عاشق)

شاہ صاحب کے مصنفات کو نایاب کر کے دوسرا قدم یہ اٹھایا گیا کہ اسے
مصنفات کو شاہ صاحب کی طرف منسوب کر دیا اور اپنے نظریات کی تبلیغ شاہ صاحب
کے نام سے کی گئی۔

شاہ عزیز کے دوسرے فرزند شاہ رفیع الدین نے اردو، فارسی اور عربی میں متعدد
رسائل و کتب تالیف فرمائی، مگر ان میں سے متعدد ابھی تک مخطوط صورت میں بر
صغیر کے صرف دو ایک کتاب خاؤں میں پائے جاتے ہیں۔ کئی رسائل و کتب کا
نام کے سوا کوئی نشان نہیں ملتا۔

تحریف کا نشانہ بھی شاہ صاحب کی تالیفات ہوئیں۔ شاہ صاحب کا اردو
ترجمہ قرآن کئی بار شایع ہو چکا ہے، قرآن مجید کا مکمل ترجمہ ہے۔ مگر عبدالرحیم ضیا
کا بیان ہے کہ :- ترجمہ قرآن تحت لفظی بعض کہتے ہیں کہ آپ نے شروع کیا تھا مگر
نا تمام رہا دوسروں نے تمام کر کے آپ کے نام سے شہرت دی۔
شاہ صاحب نے فارسی میں ایک رسالہ التنبیہ الغافلین کے نام سے لکھا تھا
ایک نو مسلم منشی بینی ناراین جہاں لاہوری نے اس رسالے کا اردو ترجمہ کیا تھا
سید عبداللہ بن بہادر علی (صاحب مطبع احمدی ہوگلی) کا بیان ہے کہ یہ ترجمہ بے

گزشتہ صفحہ کا حاشیہ - علہ کتب سے کتب کے نام مقالات طریقت میں ہیں، کتب سے وہ کے نام
مکتوب سید محمد نعمان (مکتوبات المعارف) میں ہیں، کتب کا نام شاہ عبدالعزیز کی ایک تحریر (مجموعہ فتاویٰ)
میں ہے اس کا ذکر بھی فتاویٰ میں ہے علاوہ کا نام خود شاہ صاحب نے اپنی ایک سند عطا کردہ شیخ جار اللہ میں ہے۔

علہ مقالات طریقت ص ۱۸

مجاورہ تھا اور ترجمہ آیات کلام اللہ بھی غلط تھا، لیکن خود سید عبداللہ نے جو ترجمہ ۱۸۲۰ء میں کیا تھا اس کے لیے خود ان کا بیان ہے کہ اس میں آیات و احادیث و قصص کا اضافہ کیا ہے، اس سے پہلے یہ رسالہ کسی صاحب نے اپنے نام سے شائع کر دیا تھا لطف کی بات یہ ہے کہ تنبیہ الغافلین کے تالیف شاہ رفیع الدین ہونے کا علم ہی دنیا کو صرف جہاں کے حوالے سے ہے۔ علہ

شاہ ولی اللہ کے تیسرے فرزند شاہ عبدالقادر کے ایک اردو رسالے تقریر الصلوٰۃ کا مولوی سید عبدالحئی نے ذکر کیا ہے مگر اس رسالہ کا وجود تو درکنار اس کا نام بھی مولوی عبدالحئی کے علاوہ کسی اور نے نہیں لیا۔

شاہ صاحب نے قرآن کریم کا جو اردو ترجمہ کیا تھا، اس کا سب سے پہلا ایڈیشن سید عبداللہ نے مطبع احمدی ہوگلی سے ۱۸۳۸ء میں شائع کیا تھا مگر یہ ترجمہ "موضح القرآن" کے نام سے اور اضافات کے ساتھ ۱۳۰۸ھ میں دہلی سے شائع کیا گیا،

شاہ ولی اللہ کے ابنار ہی نہیں اہنقاد بھی تحریف و ترمیم اور غلط انتساب کا ہدف

بنے۔

علہ تنبیہ الغافلین کے سلسلے میں تمام تفصیل مولانا عبدالحکیم چشتی کے ایک محققانہ مقالہ سے ماخوذ ہے۔ بنیاد

کراچی رمضان ۱۲۸۳ھ علہ الثقافة الاسلامیہ فی الہند طبع بیروت ۱۱۸

تحریک ولی اللہی

کیا وہ کامیاب رہی؟

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مقام و مرتبت کی عظمت و جلالت میں کلام و گفتگو کی گنجائش نہیں ہے۔
لیکن اگر غلو مقام، قبول عام کو مستلزم نہیں ہے تو اس مسئلے میں اختلاف آرا کی گنجائش ضرور ہے کہ

”شاہ صاحب کی تحریک کامیاب بھی رہی یا نہیں؟“
اس موضوع پر ہمارا حاصل فکر و مطالعہ استفادۂ پیش خدمت ہے۔ ماضی میں افکار و نظریات کی ترویج و اشاعت کے اولین ذرائع بالعموم دو ہوتے تھے۔ اخلاف و تلامذہ تصانیف و تالیف

مطلب یہ ہے کہ عہد ماضی میں کسی مفکر کے نظام فکر کی اشاعت اور ترویج کی صورت یہ ہوتی تھی کہ وہ اپنی زندگی میں اپنی تحریروں میں اپنے انداز فکر اور طرز تحقیق کا ابلاغ کرتا اور اپنے نتائج تحقیق پیش کر کے بساط حیات لپیٹ دیتا تھا۔ اس کے بعد اس کی ترتیب کردہ جماعت (اخلاف و تلامذہ) آتی تھی، یہ لوگ اسی کے انداز فکر پر سوچتے، اسی کی زبان میں بات کرتے اور اسی کی تحقیقات کو اپنی تحریروں میں نشراتے تھے، اس کے اجمال میں تفصیل کا رنگ بھرتے، اس کے بعد ضعیف دلائل کو قوی کرتے

اس کے دعاوی میں امثلہ و نظائر کی کمی ہوتی تو اسے دور کرتے، اس کی کسی عبارت میں خلا ہوتا تو اسے پر کرتے، اس کے غیر مرتب کو مرتب کرتے اور اس طرح بالآخر ایک فرد ایک ادارہ، ایک شخص ایک جماعت اور ایک آواز ایک تحریک بن جاتی تھی۔ اور پھر اس تحریک کی کامیابی و ناکامی کے امکانات پیدا ہوتے تھے۔

اخلاف و تلامذہ

شاہ صاحب کے براہ راست اخلاف و تلامذہ کی حالت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بھی شاہ صاحب کا پورا پورا ہم نوا اور ہم زبان نہیں ہے، شاہ عبدالعزیزؒ نہ کلامی خلافیت میں ان کے ہم نوا ہیں نہ فقہی خلافیات میں، ان کے تحفہ اثنا عشریہ کا رنگ، ازالۃ الخفا و قرۃ العینین سے مختلف ہے، شاہ ولی اللہؒ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے العقاد خلافت کے قائل نہیں ہیں، شاہ عبدالعزیزؒ اس کے قائل ہیں۔

شاہ ولی اللہ احناف کے اصول فقہ کو صحیح نہیں سمجھتے، شاہ عبدالعزیزؒ نے اس کی پر زور و مدلل تصویب و تائید کی ہے، شاہ صاحب کے چھوٹے بھائی اور شاگرد شاہ اہل اللہ شاہ صاحب کے برعکس "حنفی حنیف" تھے، انھوں نے فقہ حنفی کی کتاب ہدایہ کا خلاصہ کیا، دوسری کتاب کنز الدقائق کا فارسی ترجمہ کر کے اسے راج کرنا چاہا، ملا معین تونگی پر تشیع کا غلبہ تھا، قمر الدین منت جو شاگرد بھی تھے اور عزیز بھی شیعی ہو گئے تھے، قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے بر ملا شاہ صاحب سے اظہار اختلاف اور تغلیط کی ہے۔ شاہ محمد عاشق کی تمام تصانیف نادر الوجود ہیں۔ اصل فن حدیث پر نہ شاہ محمد عاشق کی کوئی کتاب ہے نہ شاہ عبدالعزیزؒ کی، حال آن کہ حدیث شاہ صاحب کا خاص فن تھا، شاہ صاحب موطا کو راج کرنا چاہتے تھے مگر ولی اللہی مدارس ہی میں راج نہ ہو سکی۔

علہ شاہ اسماعیل نے بھی منصب امامت میں انعقاد خلافت سیدنا علیؑ کو محکم و مدلل کیا ہے۔

علہ رسالہ اصول فقہ حنفی "و" سالہ ماخذ المربعہ" (مشمولہ فتاویٰ عزیز جلد اول)

علہ مقدمہ دارالاسات اللیب از مولانا محمد عبدالرشید نعمانی کراچی

علہ وصایا اربعہ مرتبہ پروفیسر محمد ایوب قادری ص ۵۵۔

شاہ صاحب کا ایک خاص اندازِ فکر اور مخصوص طرزِ بیان تھا، انہوں نے چند نئی اصطلاحات وضع کر کے اپنی تالیفات میں استعمال کی تھیں، چند نئے نظریات پیش کیے تھے مگر شاہ صاحب کے اخلاف اور تلامذہ نہ ان کے انداز پر سوچتے ہیں نہ ان کی زبان میں بات کرتے ہیں، نہ ان کی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ ولی اللہی مکتبِ فکر سے اپنی وابستگی، دل چسپی اتحاد و اتفاق کا کوئی نمونہ پیش نہیں کرتے۔

ہم نے اب تک گفتگو مدرسہ رحیمیہ تک محدود رکھی ہے کیوں کہ شاہ صاحب کے افکار و نظریات کی ترویج و اشاعت کی اولین ذمہ داری اسی حلقے پر عائد ہوتی ہے مگر جب یہی حلقہ خاموش اور کٹاکٹا سا نظر آئے تو یوں حلقہ ان کی ترویج و اشاعت کی توقع بے جا ہی ٹھہرے گی مگر پھر بھی ہم اس حلقے سے باہر — معاصرین و متاخرین کے حلقوں کا جائزہ لیتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ ان حلقوں نے شاہ صاحب سے خصوصی اعتنا کا معاملہ نہیں کیا۔

غلام علی آزاد بلگرامی (ف ۱۸۶۷ء) نے معاصر ہونے کے باوجود شاہ صاحب کا تذکرہ مآثر الکرام میں نہیں کیا، کئی قریب العہد تذکرہ نگاروں نے شاہ صاحب کا تعارف شاہ عبدالعزیز کے واسطے سے کرایا ہے، سعادت یار خاں رنگین۔ ع۔

”شاہ عبدالعزیز کے والد“

مرزا علی لطف ع۔

”والد ماجد ہیں یہ اس رونق بخش کشور قناعت کے جس کا نام نامی

مولوی عبدالعزیز ہے۔“

تذکرہ نگاروں کو چھوڑ کر علماء کی محفل میں چلیے۔ علماء جب کسی شخصیت سے متاثر ہوتے ہیں تو اس کی کتابوں کی شرحیں لکھتے ہیں اس پر حواشی تحریر کرتے ہیں۔ اس کی کتابوں کی احادیث و روایات کی تخریج کرتے ہیں یا اپنی کتابوں میں اس عالم کے نظریات سے کوئی معاملہ ابطال یا اثبات کا کرتے ہیں۔ اختلاف کی لے بڑھ جائے

تو بات تکفیر و تفسیق و تضلیل تک جا پہنچتی ہے۔ قبول و اتفاق کی صورت میں اس کے اقوال سے استناد و استدلال کرتے ہیں، اس کی کتابوں کو داخل نصاب دہی کرتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ کے ساتھ اعتنا کی ان اشکال میں سے کوئی بھی شکل اختیار نہیں کی گئی، شاہ صاحبؒ کی تالیفات کی طرف جب ان کے حلقے کے علما نے توجہ نہیں کی تو بدیگراں چہ رسد - دیوبند جیسے ولی اللہی مدرسے میں شاہ صاحبؒ کی کوئی کتاب داخل نہیں کی گئی تو دوسرے مدارس کا کیا تذکرہ؟ دیوبند میں شاہ صاحبؒ کے متعلق کیا رائے تھی اس کا اندازہ مولانا سندھی کے اس قول سے کیجیے کہ ان کے دورِ تعلیم میں یہ حالت تھی کہ مولانا محمود الحسن کو جب شاہ ولی اللہ یا شاہ عبدالعزیز کی رائے کسی مسئلے میں بیان کرنی ہوتی تو وہ ان حضرات کا نام لینے کے بجائے فرماتے کہ محققین مکی اس مسئلے میں یہ رائے ہے کیوں کہ

”حضرت جانتے تھے..... کہ شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کی بات سننے کے لیے طلبہ تیار نہیں ہوں گے“

تصانیف و تالیف

شاہ صاحبؒ کی تالیفات کے سلسلے میں پہلی بات تو یہ ذہن میں رکھنے کی ہے کہ ان میں سے ایک تعداد طبع ہو چکی ہے (۳) ایک تعداد غیر مطبوعہ کتابوں کی ہے جو مخطوطات کی شکل میں کہیں کہیں پائی جاتی ہیں (۳) ایک اور تعداد ان کتابوں کی ہے جس کے صرف ناموں سے دنیا آشنا ہے، ان کے مخطوطات کا کوئی سراغ کم سے کم راقم الحروف کو نہ مل سکا۔

دوسری خاص بات یہ ہے کہ شاہ صاحبؒ کی تالیفات ابتدا ہی سے کم یاب

علہ اب چند سال سے الفوز الکبیر اور حجۃ اللہ البالغہ شامل نصاب کی گئی ہیں۔

علہ شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ ص ۶۱

میں، فتح الخیر، حجتہ اللہ البالغہ، البدور البازغہ، ازالۃ الخفا اور قرۃ العینین جب پہلی بار شائع ہوئیں تو ان کے ناشرین کو ان کے علی الترتیب ایک، چار تین، تین اور ایک مخطوطے دستیاب ہوئے تھے، کم یابی کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے جب یہ دیکھتے ہیں کہ یہ کم یابی سن ستاون کے ہنگامے سے قبل ہی شروع ہو گئی تھی، مذکورہ بالا کتابوں میں سے پہلی کتاب ۱۸۳۴ء میں ہو گئی سے شائع ہوئی تھی اور ناشر کو صرف ایک نسخہ ملا تھا جب کہ ناشر اسی حلقے سے وابستہ تھا۔ گویا سن ستاون کے ہنگامہ رستاخیز سے ۲۳ سال قبل اور شاہ صاحب کی وفات کے پندرہ سال کے اندر اندر ان کی کتابوں کا قحط شروع ہو گیا تھا، زیادہ حیرت اس پر ہے کہ قحط شاہ صاحب کے خاندان اور اصحاب سلسلہ ہی میں تھا۔ مولوی سید احمد ولی اللہی جو شاہ رفیع الدین کے نواسے کے پوتے تھے۔ انہوں نے مولوی سید عبدالحی (صاحب نرہتہ الخواطر) سے ہمعات بھیجنے کی فرمائش کی تھی۔ مولوی سید احمد کے خواہر زادے مولوی سید عبدالغنی نے جو خود کو نواسہ و جانشین حضرت شاہ صاحب " لکھتے تھے۔ جب تفہیمات الہیہ شائع کی تو اس کے آخر میں یہ اپیل بھی شائع کی تھی کہ جن حضرات کے پاس اس خاندان کے اکابر کے رسائل ہوں وہ ہمیں عاریتاً فراہم کریں کہ ہم انہیں طبع کرا سکیں۔

اب شاہ صاحب کے رسائل و کتب کی طباعت و اشاعت کا جائزہ لیجیے ازالۃ الخفا پہلی بار ۱۲۸۶ھ / ۱۸۷۰ء میں بریلی سے شائع ہوئی تھی ازالۃ الخفا کی وہ اشاعت پہلی بھی اور آخری بھی، اصل فارسی متن آج تک صرف ایک بار شائع ہوا اس واحد اشاعت کی تعداد بھی صرف دو سو تھی۔

البدور البازغہ صرف ایک بار، تفہیمات الہیہ کامل صرف ایک بار، مصفیٰ صرف دو بار، مسویٰ صرف تین بار، یہ صرف طباعت کا ذکر تھا، اشاعت و فروخت کا حال یہ ہے کہ مسویٰ (طبع جاز ۱۹۳۳ء) کا اشتہار آج تک "اولیٰ" (حیدرآباد سندھ) میں شائع ہو رہا ہے۔ مطلب یہ کہ ۳۵ سال گزرنے کے باوجود ان کتابوں کے نسخے ابھی تک ختم نہیں ہوئے۔

علہ دہلی اور اس کے اطراف سے ازالۃ الخفا کے اردو ترجموں کی داستان یہ ہے کہ مکمل اردو ترجمہ پہلی بار کراچی میں شائع ہوا پھر کراچی ہی سے دوبارہ ہی ترجمہ میں چھپا، نامکمل ترجمہ ایک لکھنؤ سے، دوسرا لاہور سے (۱۹۰۶ء میں) اور تیسرا دہلی سے شائع ہوا۔

مختصر یہ کہ شاہ صاحب کے رسائل و کتب میں سے کچھ تو بالکل ناپید و نایاب ہیں کچھ کے مخطوطات کہیں کہیں سننے میں آتے ہیں باقی جو طبع ہوئے ان کی اشاعت عام نہیں ہو سکی۔

حاصل یہ کہ شاہ صاحب کے مخصوص افکار نظریات کی ترویج و اشاعت نہ ان کے اخلاف و تلامذہ کے ذریعے ہو سکی نہ ان کی کتابوں کے ذریعے۔

یہاں بجا طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ اور شاہ صاحب قبول عام خواص کیوں حاصل نہ کر سکے؟ ہماری ناقص رائے میں ان کے مسلک اور مشن کے عدم قبول و رواج و نفوذ کے اسباب تین قسم کے ہیں، وہ اسباب

• جن کا تعلق بخت و اتفاق سے ہے

• جن کا تعلق شاہ صاحب سے ہے

• جن کا تعلق ہم سے ہے

آئیے، بت ترتیب ان اسباب کا جائزہ لیں۔

شاہ صاحب کے پانچ صاحب زادے تھے، ان میں سے سب سے بڑے شاہ محمد تھے، شاہ محمد اگرچہ فاضل تھے اور بقول صاحب نزہتہ الخواطر محدث تھے مگر ان کی علمی سرگرمیوں اور افادہ تدریس کا کوئی سراغ نہیں ملتا، پھر ان پر جذب غالب تھا، اس لیے وہ خارج از بحث ہیں۔ باقی چار صاحب زادوں میں سے سب سے بڑے شاہ عبدالعزیز تھے، جن کی عمر شاہ صاحب کی وفات کے وقت صرف سو ۱۶ سال تھی اور اگرچہ انھوں نے شاہ صاحب سے بھی تحصیل علوم کی تھی مگر تکمیل و فراغت کی منزل والد کی وفات کے بعد شاہ محمد عاشق، شیخ نور اللہ اور خواجہ محمد امین کی رہنمائی میں طے کی تھی، پھر اگرچہ وہ ذکاوت و فطانت کی وافر مقدار سے بہرہ ور تھے مگر بہر حال عمر کی اس منزل پر نہیں پہنچے تھے جہاں باپ اپنے بیٹے کو اپنے اسرار و علوم منتقل کرتا ہے اور اپنے نظریات کو اس کے قلب میں راسخ اور دماغ میں مستحکم کرتا ہے۔ عمر کی ناپختگی کے علاوہ طالب علمی کا عہد بھی ان

عہد یہ بھی یاد رکھیے کہ شاہ ولی اللہ وفات سے پہلے امراض و عوارض میں مبتلا اور پھلت میں مقیم رہے

اور قبیل وفات پھلت سے دہلی لائے گئے تھے۔

کاموں کے لیے ناموزوں اور ناسازگار ہوتا ہے، فراغت کے بعد جب طالب علم کو قطع کی ہوئی منزلوں کی طرف پلٹ کر دیکھنے کا موقع ملتا ہے اور حاصل کیے ہوئے ذخیرے کے جائزے کی مہلت ملتی ہے اور تدریس یا تالیف کی ضرورتوں کے پیش نظر معلومات کی ترتیب، مختلفات میں تطبیق، اپنے مسلک کی تعیین اور غیر نصابی کتب کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے تو درحقیقت وہ منزل آتی ہے جسے قدیم درس گاہی زبان میں "حقیقی طلب علم" کی منزل کہا جاتا تھا۔ مختصر یہ کہ شاہ عبدالعزیز کو نوعمری والد کی مسلسل بیماری، طلب علم میں مصروفیت کی بنا پر اپنے والد کے مزاج سے تعارف اور ان کے منفردانہ افکار کے جذب و مبہم کاموقع نہیں ملا تھا۔ دوسرے تین بھائیوں کا تو ذکر ہی کیا؟ کہ وہ علی الترتیب ۱۲، ۸ اور ۴ برس کے تھے حاصل یہ کہ شاہ صاحب کو اس کاموقع نہیں ملا کہ وہ اپنے صاحب زادوں کو اپنے انداز فکر کی تربیت دے سکتے۔

اب تلامذہ کو لیجیے، اولاً تو شاہ صاحب کے تلامذہ کی تعداد پہلے ہی بہت مختصر ہے اور اس کمی کی وجہ شاہ عبدالعزیز کے بیان کے مطابق یہ تھی کہ شاہ صاحب نے صرف جوانی میں تدریس کی طرف توجہ کی تھی اور اس کے بعد جب اپنے شاگردوں کی ایک ایسی جماعت تیار کر لی جو مختلف فنون کے ماہر تھے تو مدرسہ ان کے سپرد کر کے خود فکر و تحقیق اور تصنیف و تالیف کے لیے وقف ہو کر رہ گئے تھے، اسی بیان سے یہ بات بھی معلوم ہوتی کہ یہ محدود تعداد ان سے اس عہد میں مستفید ہوئی تھی جب ان کے افکار میں مجتہدانہ رنگ، انقلابیت، انفرادیت اور پختگی نہیں آئی تھی، گویا یہ تلامذہ میاں ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم کے تلامذہ تھے جو اپنے دور کے ایک ممتاز محنت کش، ذہین و مستعد عالم تھے، مفکر اسلام، مجدد مآۃ اور سوی، مصنف، جتہ اور ازاتہ کے مصنف حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے تلامذہ نہیں تھے۔

ثانیاً جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں چند تلامذہ شاہ صاحب کے مسلک سے منحرف تھے،

شاہ اہل اللہ "حنفی حنیف" تھے، مخدوم معین تنوی تشیع کی طرف میلان رکھتے تھے۔
قرالدین منت نے مسلک تشیع اختیار کر ہی لیا تھا۔

ثالثاً شاہ صاحب کی وفات کے صرف دس سال بعد حلقہ ولی اللہی کو ایک
ایسا حادثہ پیش آیا جس نے حلقے کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا، ہوا یہ کہ ایک ہی
سال ۱۱۸۷ھ میں حلقہ کے ایک دو نہیں پانچ اراکین واساطین "باجامعت" رحلت
کر گئے۔

(۱) شاہ اہل اللہ برادر خورد اور شاگرد

(۲) شیخ نور اللہ مچھلتی، رفیق درس، ماموں اور خسر

(۳) شاہ محمد عاشق، رفیق درس، شاگرد، دوست میرے بھائی، نسبتی بھائی

اور خلیفہ۔

(۴) حاجی محمد سعید بریلوی، شاگرد۔

یہ تھے وہ حالات جن کا تعلق بخت و اتفاق سے تھا اور جن کی بنا پر مسلک
شاہی کے متبعین و مویدین کا دائرہ وسیع نہ ہو سکا۔

فکر ولی اللہی کے عدم قبول کا وہ سبب بھی بہت اہم ہے جس کا تعلق خود شاہ
صاحب سے ہے۔ اور اسی سبب کا تعلق ہم — مخاطبین و قارئین سے بھی ہے۔
شاہ صاحب دراصل غیر معمولی انسان تھے، دل کے لحاظ سے بھی اور دماغ
کے لحاظ سے بھی۔

ان کا فکر حقیقت پسندانہ اور ابلاغ دینیت دارانہ تھا وہ کسی بھی مسئلے پر خواہ
اس کا تعلق فقہ سے ہو یا عقائد و کلام تفسیر سے ہو یا تصوف سے، پہلے سے کوئی نیا
قائم کر کے غور نہیں کیا کرتے تھے، پھر ان کے نتائج فکر جو کچھ ہوتے تھے ان کو جوں
کا توں نذر قسطاس و سپرد قلم کر دیا کرتے تھے۔

ان کا انداز فکر غیر جانب دارانہ اور غیر فرقہ وارانہ "تھا۔ وہ خاندانی طور
پر فقہ، کلام اور تصوف کے مکاتب فکر میں سے ایک مکتب فکر سے وابستہ تھے، لیکن
فکر و تحقیق کے مرحلے میں وہ ہر مسئلے اور ہر جہت سے اپنے مکتب فکر کی ہم نوائی اور
تائید و انتصار کے پابند ہو کر نہیں رہتے تھے۔

ان کا انداز فکر غیر مقلدانہ اور مجتہدانہ ہی تھا، وہ صرف نقل و اقوال اور جمع و ترتیب پر اکتفا کے قائل نہیں تھے وہ اپنے دماغ کو بھی زحمتِ تفکر دیتے رہنے کے عادی تھے۔ تاریخ اسلام کے عمیق مطالعے، عالم اسلام کے عہدِ حال پر وسعتِ نظر، اسبابِ زوالِ امت کے مفصل جائزے، کثرتِ مطالعہ، وسعتِ نگاہ، صوفیانہ اور دروہ مندانہ افتادِ مزاج کی وجہ سے وہ خلافت میں رفعِ نزاع اور دفعِ تعارض کے لیے کوشاں رہتے تھے، اسبابِ اختلافات کا سراغ لگا کر وجوہِ اشتراک معلوم کر لینے کی فکر میں رہتے تھے، تطبیق و توافق ان کا محبوب مشغلہ تھا، اربابِ تسنن اور اصحابِ تشیع کے مختلفات ہوں یا فقہا اربعہ کے تعارضات یا صوفیہ کے باہم مناقض نقطہائے نظر، وہ جہاں تک امکان ہوتا ان میں تطبیق کی کوشش کرتے تھے اور متحارمین کو راہِ اعتدال دکھاتے تھے۔

ادھر تو شاہ صاحب اور ان کے تفکر کی یہ شان اور ادھر ہمارا یہ حال کہ ہم عہدِ زوال کی تمام خصوصیات سے بہرہ ور، ہم نے دینِ سیاست ہو یا علم و ادب زندگی کے ہر شعبے میں شطرنج کے سے کچھ خانے بنائے ہیں جو خطوط سے محدود ہیں۔ اب ہر شخص پر ہمارے زعم میں واجب ہے کہ وہ فقہی کلامی، تاریخی، ادبی، سیاسی مکاتب میں سے کسی ایک مکتب سے کلیتہً اختلاف اور فرض ہے کہ وہ ان خانوں میں سے کسی ایک خانے کے وسط میں خطوط و حدود سے دامن بچا کر کھڑا ہو۔ اب اگر کوئی غریب اپنے دماغ سے سوچنے کا خوگر ہے۔ مسائل میں اس کی اپنی بھی رائے ہوتی ہے اور وہ تحقیق کے بغیر کوئی قول تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا اور کسی ایک ہی گروہ سے عمومی اور روانی وابستگی کو واجب اور فرض نہیں سمجھتا اور وہ ان خانوں کی "جغرافیائی حدود" کا شدت سے پابند نہیں ہے اور کسی معاملے میں "خط کے اس پل" والوں سے بھی متفق ہو سکتا ہے تو وہ ان دونوں خانوں والوں کی نظر میں اجنبی ٹھہرتا ہے اور "مشکوک" قرار پاتا ہے کہ ہر مسئلے میں جماعت سے متفق کیوں نہیں ہے؟ حلقے کا صد فی صد وفادار کیوں نہیں ہے؟ دوسری جماعت اور حلقے کو شرمحض کیوں نہیں سمجھتا؟ "اغیار" کی آرا کے ساتھ ان کی نیات کو محلِ کلام کیوں نہیں سمجھتا؟ افکار کے ساتھ ساتھ کردار پر بھی نکتہ چینی اس کے نزدیک ناروا کیوں ہے؟

جزئیات میں اختلاف کو اہمیت کیوں نہیں دیتا؟ وجوہ اشتراک کی تلاش میں کیوں سرگرداں رہتا ہے؟

آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ شاہ صاحبؒ جیسا اعتدال پسند "تطبیق کوش" اور خود فکر عالم ہم جیسے "خانہ نشینوں" اور انتہا پسندوں میں کس طرح قبول حاصل کر سکتا تھا اور اس کی تحریک ہمارے معاشرے میں کس طرح رسوخ و رواج پاسکتی تھی؟

شاہ ولی اللہ کا مدرسہ رحیمیہ

شاہ عبدالرحیم (ف ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء) کا مدرسہ کوئی عام اور معمولی درس گاہ نہیں تھا۔ مختلف اعتبارات سے اس کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، اس کے صدر نشینوں معلمین، مستندین کی عظمت مقام نے مسلسل ۱۶ سو سال تک اس درس گاہ کو بڑے صغیر کی ایک ممتاز ترین درس گاہ بنائے رکھا اور جب تسلسل حوادث اس چراغ کو بجھا دینے میں کامیاب ہو گیا تو نہ صرف بڑے صغیر کے گوشے گوشے بلکہ بیرون بڑے بھی بہت سے مقامات پر اس چراغ سے روشنی حاصل کرنے والے چراغ روشن و فروزاں ہو چکے تھے اور بحمد اللہ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے، یایوں کہہ لیجیے کہ صرصر انقلاب نے اس مرکزی درس گاہ کی خدمات کا سلسلہ اگرچہ منقطع کر دیا مگر ملک و بیرون ملک اس کی صدہا شاخیں آج تک قائم و باقی اور سرگرم خدمت ہیں۔

یہ مدرسہ صرف ایک درس گاہ نہیں تھا، بلکہ بڑے صغیر کی ایک انقلابی تحریک کا مرکزی ادارہ تھا، اسے ایک خانقاہ کی حیثیت بھی حاصل تھی، یہاں کردار بنائے جاتے تھے، یہاں انسان ڈھالے جاتے تھے اور مجاہدین کی تربیت کی جاتی تھی، اسے ایک اکادمی کہنا بھی بے جا نہ ہو گا کیوں کہ اس کے سربراہوں اور اساطین کے قلم اور ذہن تحقیق اور تدقیق کے میدان میں بھی گرم رفتار رہے، اس کی سیاسی خدمات کا باب بھی دوسرے ابواب سے کم اہم نہیں ہے۔ یہاں وقت کے مغل فرماں رواؤں نے نیاز مندانہ اور عاجزانہ حاضری دی ہے، پانی پت کاتارنجی

معرکہ کانڈار اسی مدرسہ کے ایک رکن رکیں کا برپا کیا ہوا تھا، سرحد و پنجاب کے میدانوں میں رنجیت سنگھ کی فوجوں سے جن سرفروشنوں کی محاذ آرائی ہوئی وہاں مدرسے، اسی خانقاہ سے درسِ جہاد لیکر نکلے تھے، جزائر انڈمان کی قبروں میں اسی دبستانِ فکر و عمل کے مستفیدین و متعلمین جو خوابِ راحت ہیں، رحمہ اللہ علیہم۔
اسی مدرسے، خانقاہ، اکادمی اور مرکزی ودینی و سیاسی کی تاریخ پیشِ خدمت ہے۔

اس مدرسہ کو اب عموماً مدرسہ رحیمیہ لکھا اور کہا جانے لگا ہے، یہ نام ابتداءً مولوی سید احمد ولی اللہی نے اپنی ایک تحریر میں استعمال کیا تھا۔ ان کی تقلید میں مولوی رحیم بخش نے پھر مولوی بشیر الدین دہلوی نے استعمال کیا اور غلط نہیں کیا مگر واقعہ یہی ہے کہ مولوی سید احمد نے پہلے پہل اس مدرسے کو مدرسہ رحیمیہ کے نام سے یاد کیا تھا، شاہ عبدالرحیم، شاہ ولی اللہ، ان کے فرزند گرامی، تلامذہ و خلفہ میں سے کسی کی تحریر میں یہ نام ہماری نظر سے نہیں گذرا، اس کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس مدرسے کو یہ نام اس کے ختم ہونے کے بعد دیا گیا ہے۔

بہر حال اس مدرسے کے بانی شاہ عبدالرحیم تھے، مدرسے کے آغاز کے صحیح عہد کا تعین مشکل ہے۔ اندازہ ہے کہ اوں ہجری رستہ تھوڑے عیسوی کے ربعِ اخیر میں اکھنوں نے یہ مدرسہ قائم کیا ہوگا، میں سمجھتا ہوں کہ شاہ عبدالرحیم کی حیات میں مدرسہ نام صرف ان کی درس گاہ کا ہوگا۔ ہم شاہ عبدالرحیم کے علاوہ اس دور کے کسی معلم سے لاعلم ہیں، اس دور کے طلبہ کی تعداد زیادہ نہیں ہے، اس دور کے سب سے نمایاں طالب العلم تو شاہ ولی اللہ ہی ہیں، دوسرے نام شیخ بدر الحق پھلتی کا ہے جن کو والد کی وفات کے بعد ۱۱۴۲ھ شاہ ولی اللہ ہی نے سند عطا کی تھی۔

عہد خاتمہ تاویل الاماریت ۵۵۰ و حیات ولی اللہ ۲۳۰ واقعات دارالحکومت دہلی حصہ دوم ۵۹۰

خط فتاویٰ شارح عبدالعزیز میں شاہ غلام علی اور شاہ عزیز کی جو مراسلت درج ہے اس میں دونوں نے صرف مدرسہ کا لفظ لکھا ہے۔ شاہ غلام علی نے "در مدرسہ ما فیراں" اور شاہ عبدالعزیز نے "در مدرسہ" لکھا ہے، در ۹۱ منقولات شاہ عبدالعزیز میں بھی ایک جگہ مؤلف نے لکھا ہے "بزمانہ رفتہ بمدرسہ احمد" شاہ ولی اللہ نے الجزر البیہ میں مدرسہ کا لفظ لکھا ہے ۱۱۰۔ عہد تقیبات البیہ بعد ازل ۲۳۰

مولوی رحیم بخش لکھتے ہیں علامہ

”مدرسہ شاہ عبدالرحیم، شاہ عبدالرحیم نے اپنے مکان مہندیوں میں عہدہ عالم گیر میں قائم کیا۔“

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں علامہ

”شیخ (عبدالرحیم) صاحب نے پرانی دہلی میں اس مقام پر ایک مدرسہ قائم کیا جو اب مہندیوں کے نام سے مشہور ہے اور اس کا نام مدرسہ رحیمیہ رکھا۔“

مدرسہ کا اصل اور روشن دور، شاہ ولی اللہ کا دور ہے، شاہ صاحب نے اپنے والد ماجد کی حیات ہی میں تدریس کا آغاز کر دیا تھا، والد کی وفات کے بعد زیادہ احساس ذمہ داری اور زیادہ اہٹاک کے ساتھ تدریس میں مشغول ہو گئے، فرماتے ہیں علامہ

بعد از وفات ایشاں دو از وہ سال کم	والد کی وفات کے بعد تقریباً ۱۳ سال
و بیش مدرس کتب دینیہ و عقلیہ موافقت نمود۔	دینیات و معقولات کی کتابوں کے درس کا مشغل رہا۔

مولوی رحیم بخش لکھتے ہیں علامہ

(شاہ صاحب) ”پورے بائیس سال تک اس (تدریس) میں اس استغراق اور محویت کے ساتھ مصروف رہے جس کی کہیں نظیر نہیں ملتی۔“

مولوی سید احمد لکھتے ہیں علامہ

”بعدہ آپ اپنے والد بزرگوار کی جگہ قائم مقام اور سجادہ نشین ہوئے اور طالبان ہدایت کو سید سے رستے لگانا شروع کیا، کتب دینیہ و عقلیہ کی تدریس کا سلسلہ شروع کیا، جوق در جوق لوگ آنے شروع ہوئے، سیکرٹری طالب علم مستفیض ہونے لگے۔“

علم حیاتِ ولی (طبع اول ص ۱۱۱) علامہ ایضاً ص ۱۱۱۔ عہد بہت سے لوگ کوئی وجہ اور سبب نہ ہونے کی بنا پر تذکروں میں نہیں آیا کرتے، مدرسہ کے بھی جانے کتنے طلبہ کے نام ایسے ہی ضبط ہونے سے رہ گئے مثلاً خود شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ انھوں نے بخاری بقراة بعض اصحاب پیر صبی تھی، الجزء ص ۱۹۱ علامہ الجزء الطلیف (مع انفاں العارفین) ص ۱۹۱ طبع احمدی دہلی علامہ حیاتِ ولی ص ۱۱۱ علامہ خاتمہ تاویل الاماہد ص ۱۱۱

شاہ ولی اللہ نے مسند درس پر ممکن ہونے کے بعد نصاب تعلیم میں بھی ترمیم کی اور درس قرآن کریم کو جزو نصاب قرار دیا اور شاہ محمد عاشق کو ترجمہ قرآن پڑھانا شروع کیا۔ بعد میں اس ترجمہ قرآن کو قلم بند کرنے کا خیال ہوا اور ایک حصہ سفر حج سے پہلے اور باقی حصہ سفر حج کے بعد ۱۱۵۱ھ میں مکمل ہوا، اور ۱۱۵۶ھ میں خواجہ محمد امین نے اس ترجمہ کو رواج دیا۔ رواج سے مراد ہمارے خیال میں نصاب تعلیم کا لازمی جزو بنا لینا ہے۔

اس دور کے کسی دوسرے معلم مدرسہ کا نام ہمارے علم میں نہیں ہے۔ لیکن مورخین نے طلبہ کی جس کثرت کا ذکر کیا ہے اس کے پیش نظر ہمارے خیال میں شاہ صاحب کے دو ایک معاون ضرور ہوں گے۔

اس دور کے تلامذہ میں شاہ محمد عاشق، شاہ نور اللہ بھٹلی، شاہ اہل اللہ، خواجہ محمد امین کشمیری کے نام محفوظ ہیں۔

۱۳ سال تک اس طرح دادِ تدریس دینے کے بعد شاہ صاحب ۲۳ ۱۱۵۶ھ/۳۱، ۶۱ ۱۱۵۶ھ کو تشریف لے گئے اور دو سال تین ماہ بعد واپس تشریف لائے اور مہندیوں کے مدرسہ میں قال اللہ وقال الرسول کی محفل پھر گرم ہو گئی، اس سفر میں حج و زیارت کے ساتھ آپ نے محدثین عہد سے بھرپور استفادہ کیا، فکر و نظر کی نئی راہیں وا ہوئیں اور کتب و مصنفین کے ایک نئے حلقے سے تعارف ہوا، آپ کے چند منتہی تلامذہ، شاہ محمد عاشق، اخون محمد سعید وغیرہ بھی آپ کے نہ صرف شریک سفر حج تھے بلکہ شیوخ حجاز سے استفادہ و تلمذ میں بھی رفیق تھے، اس سر و سامان کے ساتھ مراجعت وطن کے بعد آپ نے مدرسہ کے جس نئے دور کا آغاز کیا اس کا تذکرہ مولوی سید احمد کی زبانی سنئے :-

(آپ) دلی میں واپس تشریف لائے اور اپنے قیدی مکان میں اقامت کی مدرسہ رحیمیہ کو جس کی بنیاد جناب شیخ عبدالرحیم صاحب ڈال گئے تھے رونق دی، حدیث و تفسیر کا درس دینا شروع کیا تو گویا شیخ عبدالحق محدث

علم مقدم فتح الرحمن - علم فائزہ تاویل الاحادیث -

دھلوی علیہ الرحمۃ کے بعد اس زمانے میں آپ نے حدیث شریف کو فروغ بخشا، اطراف ہند میں آپ کی حدیث دانی کی شہرت ہوئی طالب علموں کے پرے کے پرے آنے شروع ہوئے پرانی دلی دارالحدیث بن گئی، حقیقت میں جناب حضرت شاہ ولی اللہ کا درس گاہ اس وقت علوم حدیث و تفسیر کا مخزن اور حنفی فقہ کا سرچشمہ تھا۔

والد کی وفات سے سفر حج تک بارہ سال جم کر پڑھانے کے نتیجے میں آپ کو اپنے فارغ التحصیل تلامذہ کی ایک ایسی جماعت بھی مل گئی تھی جو تدریس میں ان کی فریق و معاون ہوئی ان معاونین میں سے شاہ محمد عاشق اور اخون محمد سعید کے نام ہم پہلے لے چکے ہیں، تیسرے خواجہ محمد امین ولی اللہی تھے جو شاہ عبدالعزیز کے بھی استاد تھے، چوتھا نام ہمارے خیال میں شاہ اہل اللہ کلہ ہے، جو شاہ ولی اللہ سے ہم سال چھوٹے تھے اور جنہیں سفر حج پر روانہ ہوتے وقت شاہ صاحب اعطاء خرقہ اجازت بیعت و ارشاد اور دستار فضیلت سے سرفراز فرماتے گئے تھے۔

شاہ صاحب نے سفر حرمین سے مراجعت کے بعد تجدید و احیاء اور ملت کی جامع و ہشت بہلو اصلاح کا جو منصوبہ بنایا تھا، اس کا تقاضا تھا اپنی جسمانی و ذہنی صلاحیتوں اور اپنے اوقات کا صرف بڑی احتیاط اور باقاعدگی کے ساتھ فرمائیں اور کسی ایسے مشغلے میں آپ صرف اوقات واستعداد نہ فرمائیں جس کی افادیت کا دائرہ محدود ہو، چنانچہ تدریس اور تبحر میں سے آپ نے تحریر کو اس کی زمانی و امکانی افادیت کے پیش نظر ترجیح دی اور اپنے بیش تر اوقات غور و فکر اور نتایج غور و فکر کو قلم بند کرنے کے لیے وقف کرنے کا فیصلہ فرمایا، مگر اس سے پہلے تدریس کا فرض ادا کرنے کے لیے ایک جماعتِ معلمین ترتیب دینے کا عزم کیا، اپنے ۱۵/۱۲ سالہ عہد تدریس میں انھوں نے متعدد علماء پیدا کر دیے تھے، ان کی تدریس کی تربیت بھی ہو گئی تھی، ان کے فنون کا تخصص بھی نکھر چکا تھا۔ اب وہ وقت آ گیا تھا کہ شاہ صاحب نگرانی و سرپرستی تک خود کو محدود کر لیں اور تدریس سے دست

کش ہو کر خود کو فکر و تحقیق اور تصنیف و تالیف کے لیے وقف کر دیں۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے شاہ صاحبؒ کی اس منصوبہ بندی اور تقسیم کار کا ذکر اپنے ایک ملفوظ میں اس طرح فرمایا ہے، علیہ

حضرت والد ماجد ازہر فن شخصے
تیار کردہ بودند طالب ہر فن بادے می
پیروند بعد مراقبہ ہر چہ بکشف می
رسیدی نگاشتند مرین ہم کم می
شدیدند۔

حضرت والد ماجد نے ہر فن کے
لیے ایک شاگرد کو تیار کیا تھا (متخصص
بنایا تھا) اور ہر فن کے طالب علم کو اس
کے متخصص کے سپرد فرماتے تھے اور
خود فکر و نظر اور تحریر میں مشغول رہتے
تھے فکر و نظر کے جو نتائج ہوتے تھے
ان کو قلم بند فرمائیے تھے، مریض بھی
کم ہی ہوتے تھے،

غالباً اسی تقسیم کار اور ترک مشغلہ تدریس کا ہی نتیجہ ہے کہ ہم شاہ صاحبؒ کے
تلامذہ کی تعداد حیرت انگیز طور پر کم پاتے ہیں اور مختلف و متعدد مآخذ سے تلاش
بسیار کے بعد ہم ۳۵ تلامذہ کا شمار کر سکتے ہیں (جن کی فہرست مع حوالہ مآخذ ایک
مستقل مضمون میں درج کی جا رہی ہے)

ان ہی تلامذہ میں سے شاہ صاحبؒ نے کچھ حضرات کو معلم بنایا۔
شاہ عبدالرحیم کے زمانے سے یہ مدرسہ مہندیوں میں قائم تھا، شاہ ولایتؒ
کے سفر حج سے آنے کے بعد بھی وہیں رہا اور پھر شاہ جہاں آباد منتقل ہو گیا، مولوی
سید احمد لکھتے ہیں، علیہ

علیہ ملفوظات منک علیہ شاہ صاحبؒ کے تلامذہ کی قلت تعداد کا صرف یہ ایک سبب ہی نہیں
ہے اور بھی اسباب ہیں، اولاً تو شاہ صاحب دہلی میں کم ہی رہے مولف الروضۃ القیومیہ (ان کے عہد شباب
میں) لکھا ہے کہ آج کل پمفلت میں رہتے ہیں“ وفات سے قبل بھی پمفلت ہی میں جا رہے تھے۔
عہ گزشتہ صدی تک مہندیوں کو پرانی دلی اور شاہ جہاں آباد یعنی آج کی پرانی دلی کو نئی دلی کہتے تھے۔
۱۹۱۲ء میں جب انگریزوں کی نئی دلی آباد ہوئی شاہ جہاں کی نئی دلی پرانی ہو گئی علیہ خاتمہ تاویل الاحادیث ص ۳۳

» روشن اختر محمد شاہ بادشاہ کا زمانہ تھا، اس نے چاہا کہ شاہ صاحب کے ذمے شاہ جہاں آباد کو عزت ہوئی تو کیا کہنا ہے، لہذا مولانا کو شاہ جہاں آباد میں بلایا اور ایک عالی شان مکان رہنے کے لیے دیاجس کا تفصیلی حال ہم اپنی کتاب یادگار دہلی میں لکھ چکے ہیں، شاہ صاحب شاہ جہاں آباد تشریف لائے اور مع قبائل رہنے لگے۔“

یہ مکان اس محلے میں تھا جس کو آج کل ”کلاں محل“ کہا جاتا ہے، اس مکان کا وہ حصہ جو شاہ صاحب کے خاندان کی سکونت کے لیے مخصوص تھا ”زنانہ“ کہلاتا تھا اور وہ بیرونی حصہ جس میں درس گاہ تھی ”مدرسہ“ کہلاتا تھا، یہ عمارت جو بقول بشیر الدین ”نہایت عالی شان اور خوبصورت“ تھی غدر تک صحیح حالت میں تھی۔

”غدر میں مکانات لوٹ لیے گئے، گرا دیے گئے، کڑی نختہ تک

لوگ اٹھالے گئے خانہ خالی لویو می گیر د۔ ایک شریف گردی تھی کہ

ابھی توبہ جس کی لائٹھی اس کی بھینس، جس کا قابو چلا وہ قابض ہو گیا

اب متفرق مکانات اس جگہ بن گئے ہیں، مگر محلہ شاہ عبدالعزیز مدرسہ“

کے نام سے آج تک پکارا جاتا ہے۔“ علہ

مولوی سید احمد نے مزید تفصیل سے بتایا ہے کہ ”مدرسہ..... تخمیناً چالیس

سال سے غیر آباد ہے، اگرچہ اولاد مولانا شاہ رفیع الدین صاحب ممدوح سے

چند اشخاص..... اسی مدرسہ موصوفہ میں برابر سکونت پذیر رہے.....

اسی اثنا میں مکان مدرسہ بھی ایام غدر میں منہدم ہو گیا۔“

مدرسہ کا دوسرا دور اس وقت شروع ہوا جب مدرسہ کا اہتمام و صدارت

کا بار شاہ عبدالعزیز جیسے جوان پختہ کار نے اٹھایا۔

شاہ ولی اللہ کی وفات کے وقت (۱۷۶۲ء) شاہ عبدالعزیز صرف ایک

سولہ سالہ محنتی طالب علم تھے، ان کے باقی تین حقیقی بھائی بترتیب ۱۲-۸-۴

سال کے تھے شاہ عبدالعزیز نے اپنے والد ماجد کے تلامذہ و خلف سے تعلم کے

علہ واقعات دار الحکومت دہلی حصہ دوم ص ۱۳۱ عند خاتمہ فیوض الحرمین ص ۱۰۷

۴۸
 آخری مراحل طے کیے اور طریقہ ولی اللہی کے سجادہ خلافت و مدرسہ ولی اللہی کی
 مسندِ صدارت پر ممکن ہو گئے۔ اس وقت ان کے معاونین شاہ محمد عاشق، شاہ
 نور اللہ، خواجہ محمد امین، بابا فضل اللہ تھے، ۴۴ سال بعد ہی ۱۹۰۹ء میں ان کے چھوٹے
 بھائی شاہ رفیع الدین تعلیم سے فارغ ہوتے ہی تعلیم کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو گئے اور
 یوں طریقہ اور مدرسہ کو ایک اور جوان سال و جوان ہمت رکن حاصل ہو گیا پھر چند سال
 بعد شاہ عبدالقادر نے مدرسین کی فہرست میں ایک اہم اضافہ کیا، کچھ عرصہ کے بعد
 ان چاروں بھائیوں کے اخلاف شاہ اسحاق، شاہ یعقوب، شاہ اسماعیل، شاہ
 مخصوص اللہ شاہ محمد موسیٰ اور شاہ عزیز کے بعض تلامذہ مثلاً مولوی رشید الدین
 نے مدرسہ کے ایک ایک گوشے کو آباد کر کے تدریس کے جوہر دکھائے اور طالبان
 علوم دین کی تشنگی کو رفع کیا۔

مدرسہ کا یہ دور اپنے ماقبل و مابعد کے ادوار سے ہر اعتبار اور ہر پہلو سے ایک
 تابناک و روشن دور تھا، شاہ ولی اللہ نے درسِ قرآن کا جو سلسلہ شروع کیا تھا
 اس کے قبولِ عام کا کوئی تاریخی ثبوت ہماری نظر سے نہیں گزرا مگر شاہ عبدالعزیز نے
 درسِ قرآن کا سلسلہ کچھ ایسے دل نشین و موثر اور سادہ و قابلِ فہم انداز سے چھیڑا کہ وہ
 طلبہ سے زیادہ عوام کی دلچسپی کی چیز بن گیا اور مدرسہ کے ایک سبق کے بجائے مجلس
 کا موضوع ہو گیا، شاہ ولی اللہ کے دور میں مدرسہ سے فتاویٰ کے اجراء کی مثالیں
 بہت کم ہیں مگر شاہ عبدالعزیز کے دور میں دہلی و بیرون دہلی کے زبانی و تحریری سولات
 کا ایک تسلسل نظر آتا ہے اور فتاویٰ شاہ عبدالعزیز کے صنیم مجلدات شاہ صاحب کی
 طرف ملک کے مسلمانوں کے رجوع کا پتا دیتے ہیں۔ مدرسین کی تعداد بھی اس دور
 میں زیادہ رہی، شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، خواجہ محمد امین، بابا
 فضل اللہ، شاہ محمد عاشق، شاہ نور اللہ، مولوی عبدالحی بڈھانوی، شاہ محمد اسحاق
 شاہ محمد یعقوب، شاہ محمد اسماعیل، شاہ مخصوص اللہ، شاہ محمد موسیٰ، مولوی رشید الدین
 خاں وغیرہ وہ فخر روزگار مدرسین ہیں، جو مدرسہ کے اس ۶۰ سالہ (۱۹۰۲ء تا ۱۹۶۳ء)
 دور میں مختلف اوقات میں سرگرم افادہ درس رہے۔
 اس دور کے مستفیدین و تلامذہ درس کی تعداد، ناقابل شمار ہے جو ہزاروں طلبہ

۴۹
اوراق تاریخ میں جگہ پلنے سے محروم رہ گئے، ان کو چھوڑ کر اگر صرف انھی حضرات کو شمار کیا جائے جن کے نام اور کام کو تاریخ کے حافظ نے محفوظ رکھا ہے تو بھی یہ تعداد ہزاروں تک پہنچے گی۔

شاہ عزیز جب ریح البواسیر کے عوارض کا شکار اور بھیر ہو گئے تو مدرسہ کی صدارت سے شاہ رفیع الدین عہدہ برآ ہوئے اور جب ۱۸۱۶ء میں وہ رحلت فرما گئے تو شاہ اسحاق کی نوجوانی نے حوادث کی دعوت مبارزت کو لبیک کہا اور شاہ عزیز کی نگرانی کے سلسلے میں مدرسہ کی خدمت اہتمام انجام دی اور ۱۸۲۳ء کے بعد تو وہی تمام شعبوں میں نانا کے جانشین ثابت ہوئے۔

مدرسہ اس دور میں بھی، اسی جگہ (کلاں محل) رہا، البتہ ایک مدرس (شاہ عبدالقادر) نے اکبر آبادی مسجد کے حجرہ میں اقامت اختیار کر لی تھی، اس لیے طلبہ ان سے متعلق اسباق کے لیے اکبر آبادی مسجد میں حاضری دیا کرتے تھے۔

مدرسہ کا تیسرا دور، متاخرین خاندان کا دور ہے، اس دور میں مدرسہ کی صدارت شاہ محمد اسحاق سے متعلق رہی، اس لیے کہ وہی شاہ عبدالعزیز کے نواسہ ہونے کے علاوہ مسلم جانشین اور خلیفہ بھی تھے، اس دور کے مدرسین، شاہ محمد یعقوب، شاہ مخصوص اللہ، شاہ محمد موسیٰ، مولوی رشید الدین خاں وغیرہ تھے، ولی اللہیوں کی یہ نژاد نو ہر نفع کے دینی و عقلی علوم کے متخصصین کی ایک باوقار جماعت تھی، اطراف و اکناف علم کے طلبہ کا ہجوم اور پڑھانے والوں میں شفقت و رافت، محنت و جفاکشی کی فراوانی، مدرسہ آباد و پُر رونق، دُور دور مشہور و نیک نام نہ ہوتا تو کیوں نہ ہوتا؟ صدر المدرسین شاہ محمد اسحاق کا جو نظام الاوقات مورخین نے بیان کیا ہے اس سے مدرسے کے رنگ کا اندازہ کر سکتے ہیں، لکھا ہے کہ شاہ اسحاق نماز صبح کے فوراً بعد گھر میں لڑکیوں کو پڑھاتے پھر مدرسہ میں آجاتے اور دوپہر تک مصروف درس رہتے، دوپہر کے کھانے اور قیلوے کے بعد نماز ظہر ادا کرتے اور پھر درس کا سلسلہ شروع ہو جاتا جو نماز عصر کے علاوہ نماز مغرب تک جاری رہتا نماز مغرب کے بعد اندرون خانہ تشریف لے جاتے مگر جلد واپس آجاتے اور نماز عشا تک درس دیتے رہتے۔

شاہ ولی اللہ کے دور سے درس قرآن (وعظ) کا سلسلہ شروع ہوا تھا، وہ اس دور میں بھی اس شان سے جاری رہا، سرسید کا بیان ہے کہ علہ میں شاہ اسحاق کے وعظ میں حاضر ہوتا تھا، باہر مردوں کا ہجوم ہے زنانے میں عورتیں جمع ہیں نہ ڈولیوں کا شمار ہوتا نہ پالکیوں کا، شاہی محلات کی بیگمات تک آتی تھیں امر کے ہاں سے کھانے کی دگیں پک کر آتیں جو طلبہ اور عوام میں تقسیم ہو جاتیں، خود شاہ صاحب معمولی چپاتی اور شوربہ گاڑھے کے دسترخوان پر رکھ کر کھاتے۔

مدرسہ کے نصاب تعلیم میں بھی بہت سی تبدیلیاں ہوئیں، یہاں ہم طوالت کے خوف سے ان سے صرف نظر کرتے ہیں، یوں بھی "حیات شاہ اسحاق" میں اس موضوع پر بتفصیل لکھ چکے ہیں۔

اس دور میں ایک اہم تغیر یہ ہوا کہ مقامات درس تقسیم ہو گئے، اصل اور قدیم مدرسہ واقع کلاں محل جو اس زمانے میں جیسا کہ مولوی بشیر الدین وغیرہ نے لکھا ہے "مدرسہ شاہ عبدالعزیز" کہلاتا تھا، یہ ایک بڑی حویلی کا ایک حصہ تھا اور دوسرا حصہ زنانہ کہلاتا تھا اور ورثہ شاہ عبدالرحیم و شاہ ولی اللہ کی سکونت گاہ تھا شاہ عزیز کے نواسے شاہ اسحاق و شاہ یعقوب بھی اپنی والدہ کی حیات میں یہیں سکونت پذیر تھے، شاہ اسحاق کی والدہ کا وصال چوں کہ اپنے والد (شاہ عزیز) کی حیات ہی میں ہو گیا تھا، اس لیے شاہ عزیز نے اپنے ان دونوں نواسوں کی سکونت کے لیے ایک قطعہ زمین الگ خرید کر اس پر وسیع عمارت تعمیر کرادی، یہ دونوں بھائی اسی میں رہتے اور اسی میں درس دیا کرتے تھے۔ اس لیے یہ عمارت "مدرسہ شاہ اسحاق" کہلانے لگی۔ اور شاہ اسحاق ہی مدرسہ شاہ عبدالعزیز کے صدر مدرس اور نگران تھے، اس لیے اس واقعہ کی تعبیر یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ مدرسہ قدیم کا مقام تبدیل ہو گیا اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں مقامات درس تقسیم ہو گئے کیوں کہ باقی اساتذہ (شاہ مخصوص اللہ اور شاہ موسیٰ وغیرہ) قدیم مدرسہ ہی میں پڑھاتے

علہ تراجم علماء حدیث ص ۱۱۱

رہے تھے، جسے مدرسہ اسحاق کی تعمیر کے بعد "مدرسہ کہنا" بھی کہنے لگے تھے۔
 مولوی بشیر الدین واقعات دارالحکومت دہلی میں "مدرسہ شاہ عبدالعزیز" کے
 عنوان سے، مدرسہ رحیمیہ یا مدرسہ کہنا کا حال جدا تحریر کرنے کے بعد مدرسہ مولانا شاہ
 محمد اسحاق صاحب "کا عنوان قائم کر کے اس مدرسہ جدید کے متعلق لکھتے ہیں۔

جس وقت شاہ عبدالعزیز صاحب کی دختر نیک اختر یعنی
 شاہ محمد اسحاق کی والدہ کا انتقال ہوا، حضرت کو خیال ہوا بھتیجوں
 کے سامنے نواسے وارث نہ ہوں گے، اس لیے مولانا شاہ اہلق
 اور مولانا یعقوب دونوں بھائیوں کے لیے قطعہ زمین علاحدہ
 خرید کر اس میں عمدہ پختہ مکانات بنا دیے اور انہی کے نام کر
 دیے۔ چنانچہ مولانا صاحب چند سال ان مکانوں میں رہے
 اس کے بعد یک بیک خانہ کعبہ کا شوق پیدا ہوا، حج بیت اللہ
 کا ارادہ کیا اور تمام مکان اور اثاثہ بیچ کر ۱۲۵۶ھ میں مع اہل
 و عیال کے ہجرت فرما گئے، اب مدرسہ میں چھوٹے چھوٹے
 مکانات بن گئے ہیں، جو ہان کسان وغیرہ غریب لوگ رہتے
 ہیں، ایک چھوٹی سی مسجد آپ ہی کے نام سے مشہور ہے جس میں
 آپ نماز پڑھا کرتے تھے، اب چوں کہ یہ کل جائیداد رائے
 بہادر لالہ شیو پرشاد صاحب کی ہے اس لیے اس گلی پر
 "مدرسہ رائے بہادر لالہ رام کشن داس" کا تختہ لگا دیا گیا
 ہے۔

واقعات دارالحکومت دہلی ص ۱۶۷ حصہ دوم

شاہ محمد اسحاق کی ہجرت حرم (ذی قعدہ ۱۲۵۸ھ) پر اس مدرسہ کی پہلے اس سال
 تاریخ کا اختتام ہو گیا، کیوں کہ شاہ مخصوص اللہ تو پہلے ہی تدریس سے دست کش اور

علہ سر سید احمد خاں نے اپنی کتاب آثار الصنادید (تالیف ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۶ء) میں لکھا تھا کہ ایک عرصہ

ہوا سرشتہ تدریس ہاتھ سے دیکر گوشہ نشین ہو گئے ہیں۔ ایک عرصہ کا مطلب صرف ۵ سال بھی لیں تب بھی ۱۲۵۸ھ

میں وہ گوشہ نشین ہو گئے ہوں گے

گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ اور شاہ محمد موسیٰ نے شاہ محمد اسحاق کی ہجرت کے صرف ۹ ماہ بعد رجب ۱۲۵۹ھ میں وصال فرمایا۔

مدرسہ کا چوتھا دور ۱۳۰۸ھ میں شروع ہوا اور بہت جلد ختم بھی ہو گیا۔ یہ دور تجدید و احیاء مدرسہ کی ایک نیک دلانہ خواہش کا سر جوش تھا، اور صرف برائے نام کامیابی پر منتج ہو کر بہت جلد ختم ہو گیا۔

تھی اک در ماندہ رہ رو کی صدائے دردناک
جس کو آوازِ رحیلِ کارواں سمجھا تھا میں

شاہ رفیع الدین کے نواسے مولوی سید ناصر الدین کے پوتے مولوی سید احمد سے بڑی بے سروسامانی کی حالت میں صرف و زروں اور حوصلوں کے سہارے پر اپنے آبائی مدرسہ کی تجدید کا عزم کیا تھا اور سروسامان سے محرومی، ذاتی اثرات کے فقدان، اپنا زمانہ کے عدم تعاون اور حالات کی ناسازگاری کے ہاتھوں شاید مدرسہ کی تجدید کے اعلانات سے بات آگے نہیں بڑھ سکی۔ مولوی سید احمد نے اپنے اسلاف کے رسائل و کتب کی اشاعت کے لیے ایک مکتبہ اور مطبع (دوکان اسلامیہ اور مطبع اہری) جاری کیا، اسی مطبع سے شائع شدہ ایک کتاب (فیوض الحرمین) کے خاتمہ (۱۰۶-۲۸) میں پہلی بار اس مدرسہ کی تعمیر نو اور تجدید کا اعلان کیا، اس اعلان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مدرسہ کی عمارت کے کچھ حصے کی تعمیر کرائی تھی مگر اصل کام سلسلہ درس کا آغاز ابھی نہیں ہوا تھا، یہ اعلان محرم ۱۳۰۸ھ (۱۸۹۰ء) میں کیا تھا، اس کے بعد کی مطبوعہ کتابوں کے خاتمے میں وہ مدرسہ کے آغاز کا اعلان اور اعانت کے لیے دعوت دی جاتی رہی مگر کوئی تفصیل کبھی نہیں آئی، یہاں تک کہ ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء میں جب مولوی سید عبدالحی ان سے ملے ہیں تو مدرسہ باقی نہیں رہا تھا لکھتے ہیں۔

انہوں (سید احمد) نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ ان حضرات کی کتابیں شائع کی جائیں چنانچہ اکثر رسائل چھپوائے ہیں اور باقی چھپ رہے ہیں، ایک پریس بھی قائم کیا ہے ابتدا میں خاص حضرت مولانا کے مدرسہ میں

علہ دہلی اور اس کے اطراف ص ۶۲

ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا، مگر اپنا زمانہ کی بے التفاتی سے وہ ٹوٹ گیا؛
 مولوی سید احمد نے مدرسہ کا نام مدرسہ عزیز کی تجویز کیا تھا، مطبع کے نام کے
 ساتھ بالالتزام متعلق مدرسہ عزیز لکھا کرتے تھے، کہیں کہیں "مدرسہ کہنہ شاہ عزیز
 صاحب" بھی لکھتے ہیں "کہنہ" کی قید "مدرسہ شاہ اسحاق" سے امتیاز کے لیے تھی؛

شاہ ولی کے بھائی شاہ اہل اللہ پھلتی

شاہ عبدالرحیم کی دو شادیاں ہوئی تھیں، پہلی سونی پت (مشرقی پنجاب) میں ہوئی۔ ان سے ایک صاحب زادے صلاح الدین ہوئے، دوسری ساٹھ سال کی عمر میں ایک شاگرد و مرید شیخ محمد صدیقی پھلتی (ن ۱۱۲۵ھ) کی صاحب زادی فخر النساء بیگم سے ہوئی، ان سے دو صاحب زادے ہوئے (۱) شاہ ولی اللہ (۲) اور شاہ اہل اللہ، شاہ ولی اللہ کو جو شہرت حاصل ہوئی وہ بجا طور پر اس کے مستحق تھے مگر شاہ اہل اللہ کو متعدد وجوہ سے وہ مقام حاصل نہ ہو سکا جس کے وہ مستحق تھے۔

شاہ اہل اللہ ۱۱۱۹ھ / ۱۷۰۸ء میں پھلتی میں پیدا ہوئے۔ تحصیل علوم اپنے والد ماجد، بڑے بھائی اور دوسرے اساتذہ سے کی اور دینیات، عقلیات اور طب میں ملکہ حاصل کیا۔ ۲۲ سال کی عمر میں والد ماجد سے بیعت کی اور اشغال طریقہ اخذ کیے، اسی عمر میں اپنے والد کے مکاتیب کا ایک مجموعہ مرتب کیا۔ ۱۱۳۱ھ میں والد کے سایے سے محروم ہو گئے تو اپنی علی تشنگی اور تربیت کی کمی کو اپنے بڑے بھائی سے رفع کیا اور درس و مطالعہ میں مشغول ہو گئے۔

علہ القول الجلی از شاہ محمد عاشق بحوالہ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات ص ۲۲ از خلیق احمد نظامی

۱۹۴۹ء تکملاً ہندی مطبع احمدی دہلی ص ۶

”۱۱۴۳ھ میں جب ان کی عمر ۲۳، ۲۴ برس کی تھی، شاہ ولی اللہ نے حج و زیارت اور طلب حدیث کے لیے حرمین شریفین کا عزم کیا تو خلافت کی دتار ان کے سر پر باندھی اور اجازت بیعت و ارشاد ان کو دی اور حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم قدس سرہ کا جانشین ان کو بنایا اور فرمایا جیسا خرقة ہم کو حضرت والا قدس سرہ سے پہنا تھا، ایسا ہی ہم نے ان کو دے دیا، متعلقین کو چاہیے کہ ان کو بجائے پدر بزرگوار سمجھیں“

مطب | تحصیل علوم سے فراغت کے بعد شاہ اہل اللہ نے باقاعدہ مطب کا سلسلہ شروع کیا، شاہ عبدالرحیم خود بھی طبیب تھے، شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں: **مطب**

انھیں (شاہ عبدالرحیم کو) ہر علم میں کافی دخل تھا اور فنون میں سے کسی فن سے بھی تھوڑا بہت بھی تعلق نہ ہونا انھیں گوارا نہیں ہوتا تھا، طب سے تو ان کے مزاج کو خصوصی مناسبت تھی۔

ازہر علم بہرہ معتد بہ داشتند
و ترک مناسبت بفنہ از فنون طبع
ایشان رضائے و دور طب حدس ایشان
بغایت سلیم و رسا بود۔

تشخیص مرض میں ان کے ذہن کی دراکی اور ان کے ملکہ کا ایک دلچسپ واقعہ بھی شاہ ولی اللہ نے تحریر فرمایا ہے کہ سادات بارہہ کے کسی گاؤں میں آپ تشریف لے گئے تو لوگوں نے ایک بیمار کا قارورہ آپ کو دکھایا، آپ نے صرف قارورہ دیکھ کر بغیر مریض کی نبض دیکھے اور حالات معلوم کئے فوراً نسخہ لکھ دیا۔ ایک ہندو طبیب نے جو وہاں موجود تھا سوال کیا کہ حضرت! تشخیص مرض بھی فرمائی ہے؟ آپ نے مسکرا کر جواب دیا ”یہ ایک عورت کا قارورہ ہے جس کا یہ نام ہے یہ شکل و صورت ہے، یہ اخلاق و عادات ہیں، یہ یہ شکایات ہیں، ان کے علاوہ بھی اور بہت سے کام جو وہ کرتی ہے ہمیں معلوم ہیں۔“ ہندو طبیب نے

۱۔ تلمذ ہندی ص ۶۸ ع ۱ بوارق الولاہیت (انفاس العارفین) ص ۱۱ مطبع احمدی دہلی۔

۲۔ بوارق الولاہیت (انفاس العارفین) ص ۸۵ مطبع احمدی دہلی۔

بر محل سوال کیا کہ حضرت! یہ باتیں کس طبیبی کتاب میں لکھی ہیں؟ آپ نے فرمایا
جی نہیں یہ طب نہیں ہے، یہ ہم غلامانِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فراست
صادقہ ہے۔

شاہ اہل اللہ نے اپنے والد کی مسند مطب کو آباد کیا، شاہ عبدالعزیز
کا بیان ہے کہ علہ

حکمت ہمہ در خاندانِ مامہوں ہمارے خاندان میں طبابت کا سلسلہ
بود چنانچہ جدِ بزرگ وار و عمِ فقیرمی بھی تھا اور میرے دادا اور چچا مطب
کردند۔ کرتے تھے۔

ایک اور موقع پر فرمایا: علہ
عم من در طب مہارت و کمال داشت میرے چچا طب میں ماہر و کمال تھے

مولوی سید ظہیر الدین عرف سید ولی اللہی لکھتے ہیں: علہ

شاہ ولی برادر خورد شاہ اہل اللہ بھی اس خاندان کے ایک ذی عم و
باکمال شخص گزرے ہیں جو مختلف علوم و فنون میں تبحر رکھتے تھے، علاوہ دینی
علوم کے آپ علم بیدک کے جو ہندستان کا فنِ طب ہے بڑے عالم و عامل تھے
اور اس فن میں گویا اپنے وقت کے دھستروید تھے جن کی تشخیص و تجویز نے
ہزاروں بیماروں کو جو لبِ گور پہنچ گئے تھے پھر زندگی بخشی۔

معالجہ کا مشغلہ انھوں نے میراثِ پدر ہونے کے علاوہ ایک اشارہ غیبی
کی بنا پر بھی اختیار کیا تھا، شاہ عبدالعزیز راوی ہیں کہ

روزے و خواب دیدند کہ شخصے شاہ اہل اللہ نے ایک روز خواب
می گوید کہ خدا بیمار است دوا کن، حضرت میں دیکھا کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے کہ خدا
والد ماجد فرمودند در حدیث آمدہ کہ بیمار ہے اس کا علاج کر "میرے والد

علہ ملفوظات عزیزی ص ۲۲ (مطبع مجتہبی میرٹھ ۱۳۱۴ھ) علہ ایضاً ص ۳۴

علہ انفس العارفیہ، سرورق ۳ علہ ملفوظات عزیزی۔

ماجد نے یہ خواب سن کر فرمایا، حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ فرمائے گا، میں بیمار تھا تو نے روانہ کی، میں بھوکا تھا، پیاسا، تنگ تھا تو نے کھانا پانی اور کپڑا نہیں دیا، بندہ عرض کرے گا خدایا تو ان احتیاجات سے پاک ہے اللہ فرمائے گا میرا فلاں بندہ بیمار تھا، فلاں بھوکا تھا تو گویا میں ہی بھوکا اور بیمار تھا۔

روزِ قیامت خدا خواہد گفت کہ من مریض شدم و وانکر دی، و گرسنه شدم و تشنه شدم و عریاں شدم، آب و طعام و جامہ ندادی، بندہ گوید خدایا تو منترہ، فرمود کہ فلاں بندہ من بیمار بودہ و گرسنه بود گویا من بودم۔

شاہ ولی اللہ نے اپنے بھائی کے خواب کی تاویل یہ کی کہ طب کی تحصیل کے بعد مطب نہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے استطاعت کے باوجود بھوکے کو کھانا نہ کھلانا ممکن ہے شاہ اہل اللہ کے مشغلے کا محرک یہی خواب ہو، ورنہ ہو سکتا ہے وہ بھی بڑے بھائی کی طرح درس و تصنیف اور ارشاد و ہدایت ہی میں صرف ہمت و اوقات کرتے۔

وہ دوسرے اطباء کی طرح مریضوں کے معائنہ کے لیے گھروں پر بھی بلائے جاتے تھے، ایک بار ایک مریض کے گھر جاتے وقت وہ اپنے بھتیجے شاہ عبدالعزیز کو بھی جو بچے تھے ساتھ لیتے گئے۔ مریض ایک ذاکر و شاعر بزرگ تھے، مرض الموت سے دوچار تھے، غفلت طاری ہو چکی تھی، مگر ہاتھ کی انگلیاں اس طرح چلا رہے تھے جیسے ہاتھ میں تسبیح ہو اور ایک تسبیح پوری کر کے دوسری تسبیح شروع کرتے وقت جس طرح امام کو درست کیا جاتا ہے، شاہ اہل اللہ نے حساب کیا تو ٹھیک سو دانے گنتے کے بعد وہ امام کو درست کرتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ شاہ اہل اللہ فرمانے لگے نیک کام کا محاورہ پڑ جانا بھی بڑے کام آتا ہے کہ بے قصد اور بے ہوشی میں بھی وہ کام انجام پا رہا ہے علیہ

اسی طرح ایک اور "وزیر" کا عجیب واقعہ شاہ عبدالعزیز نے بیان فرمایا ہے کہ جس زلزلے میں ہم لوگ پرانی دہلی میں رہتے تھے، کوچہ انبیاء کے ایک سید صاحب کے یہاں ایک پوربن بڑھیا بیمار پڑی تھی۔ یہ بڑھیا سید صاحب کے یہاں ایک لونڈی کی حیثیت سے پئی تھی، ان پڑھ تھی اور کبھی نماز کی ٹکرت تک نہیں مارتی تھی، آخری وقت آیا تو پوربنی لہجے میں کچھ ایسے الفاظ ادا کرنے لگی جو کسی کے سمجھ میں نہیں آتے تھے، کئی اطباء وصالحا بلوائے گئے، جب کسی کی سمجھ میں بات نہیں آئی تو چچا جان کو تکلیف دی گئی، آپ نے غور کر کے سنا تو پتا چلا کہ لاتخانی و لاتحزنی کہہ رہی ہے، آپ نے گھر والوں سے کہا اس سے یہ پوچھو کہ یہ الفاظ کیوں کہہ رہی ہے، بڑی مشکل سے بولی کہ کچھ لوگ کھڑے مجھ سے یہ الفاظ کہہ رہے ہیں وہ دریافت کیا کہ ان الفاظ کا مطلب کیا ہے، بولی یہ تو نہیں جانتی مگر دل کہتا ہے کہ میری تسلی کے لیے کہہ رہے ہیں۔ کہا گیا ان لوگوں سے یہ پوچھو کہ میرے کس کام کے صلے میں یہ تسلی دے رہے ہیں۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد بولی، یہ کہہ رہے ہیں کہ تو نے زندگی میں کوئی نیک کام نہیں کیا، مگر ایک روز سردی کے موسم میں تو بازار سے گھی لے کر اور اسے گرم کر کے چھانٹنے لگی تو اس میں سے ایک روپیا نکلا تھا، پہلے تیری نیت یہ ہوئی کہ روپیہ ہضم کر لے کیوں کہ کسی کو اس کی خبر نہیں تھی، مگر پھر اللہ کے خوف سے تو نے وہ روپیا دوکان دار کو واپس کر دیا۔ بس تیری یہ ادا بھاگئی۔ ع

پھلت میں | والد کے انتقال کے بعد کچھ مدت ہی شاہ اہل اللہ دہلی میں رہے اور پھر پھلت منتقل ہو کر وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی، پھلت دہلی سے ۶۰ میل کے فاصلہ پر ضلع مظفرنگر (یوپی) کا ایک قریب ہے جو شاہ صاحب کا نھیال بھی تھا اور مولد بھی، شاہ ولی اللہ بھی یہیں پیدا ہوئے تھے ع۔ اور ابتدائی عمر میں ان کا قیام بھی عموماً پھلت رہتا تھا۔ ع

عہ ملفوظات عزیزی ص ۳۳۔ عہ وہ کمرہ جس میں شاہ ولی اللہ کی ولادت ہوئی تھی اب تک محفوظ و مقفل ہے
سال میں ایک بار کھولا جاتا ہے، ہم نے ۱۹۵۷ اور ۱۹۵۸ میں اس کی زیارت کی ہے۔ عہ روضۃ القیومیہ بحوالہ رود کوثر

شاہ اہل اللہ نے دہلی کا مستقل قیام ترک کر کے پھلت میں سکونت کیوں اختیار کی تھی؟ اس کا سبب معلوم نہیں ہو سکا لیکن اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ وہ علمی دنیا میں اس مقام کو نہ پاسکے جس کے وہ مستحق تھے اور انھیں نہ صرف یہ کہ خاطر خواہ شہرت حاصل نہ ہو سکی۔ بلکہ ان کے حالات زندگی پر بھی پردا پڑ گیا۔ اور چند سطروں سے زیادہ ان کے سوانح یک جانظر نہیں آتے اور یہ حالت آج نہیں ہوئی بلکہ آج سے تقریباً ایک صدی قبل اور شاہ صاحب کے وصال کے ٹھیک سو سال بعد ۱۲۸۰ھ میں اسی خاندان کے ایک متوسل و نیاز مند صاحب الیابغ الجنی کو یہ لکھنا پڑا کہ عملہ

وکان لولہ اللہ اخ یسینی الشیعہ
اہل اللہ کان اهل اللہ و
اہل العلم بلے لم یبلغنی خبرہ
فوق ان له کتاباً

شاہ ولی اللہ کے ایک بھائی بھی تھے جن کا نام شاہ اہل اللہ تھا، جو ایک باخدا اور صاحب علم بزرگ تھے، مجھے ان کے حالات اس سے زیادہ معلوم نہیں کہ ان کی ایک تصنیف ہے۔

حالانکہ اس کتاب میں اس خاندان کے دوسرے ارکان کے حالات کسی قدر وضاحت و تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔

مولوی فقیر محمد جہلمی اسی خاندان کے تلامذہ میں سے تھے انھوں نے احناف کے تراجم پر مشتمل حدائق الحنفیہ لکھی مگر شاہ اہل اللہ کے ذکر خیر سے محروم رہ گئے، حالانکہ شاہ ولی اللہ کے برعکس شاہ اہل اللہ کی حنفیت میں مجال کلام نہیں ہے بلکہ وہ مسلک امام اعظم کی حمایت و نصرت میں چاق و چوبند تھے، اور اسی جرم میں اہل حدیث مورخین نے انھیں نظر انداز کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

خود اسی خاندان کے ایک رکن، مولوی سید احمد ولی اللہی کو شاہ اہل اللہ کی ایک کتاب شائع کرتے وقت ان کا تعارف یوں کر لانا پڑا:

شاہ اہل اللہ بھی اسی خاندان کے ایک ذی علم اور باکمال شخص گزرے ہیں

پھر حال شاہ اہل اللہ مستقلاً اپنے نانہاں پھلت میں مقیم ہو گئے تھے، وہاں ان کا ذریعہ معاش ممکن ہے جاگیر ہو، ان کے نانہاں میں سلطان سکندر لودھی (۱۵۱۶ء) کے وقت سے زمیں داری چلی آئی تھی جو شاہ اہل اللہ کے نانا شیخ محمد پھلتی کے بزرگوں کو ملی تھی۔ اس کے علاوہ خود ان کے دادھیال کو بھی جاگیر ملی ہوئی تھی، ۱۷۵۰ء میں جب احمد شاہ ابدالی نے پانچواں حملہ دہلی پر کیا تو ساری جاگیریں ضبط کر لی تھیں۔ شاہ ولی اللہ ایک خط میں لکھتے ہیں۔

آل تمغلے اکثرے ضبط شدہ الا
 بہت سوں کی جاگیروں کی اسناد ضبط
 آل تمغلے ایں جانب کہ دستخط کردہ
 کر لی گئیں مگر میری سند اپنے دستخط
 دادہ اند۔
 کر کے واپس کر دی۔

ایک زمانے میں شاہ ابو سعید بریلوی نے یا ان کے توسط سے کسی اور صاحب نے شاہ صاحب کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا، جس کے شکریہ میں شاہ اہل اللہ نے ان کو لکھا۔

ایں نیاز مندرا از فکر معاشی
 آپ نے مجھے فکر معاش سے
 نجات بخشیدند۔
 نجات دلانی ہے۔

پھر دعا کے بعد لکھتے ہیں:
 حسب الایماں خط شکر گزاری
 آپ کے ارشاد کے مطابق خاں صاحب
 نجان رفعت نشاں مرقوم شدہ۔
 کو شکریے کا خط لکھ دیا ہے۔

اس کے بعد ایک دوسرے خط میں پھر شکریہ ادا کرتے ہیں:
 احوال یومیہ کہ از توجہ و جہہ صورت گرفتہ است بفضل الہی تا حال جاری ست
 و نیاز مند با دیگر کس و کو خود رطب اللسان شکر گزاری ست۔
 شاہ صاحب کا وصال ۱۱۸۶ھ میں پھلت میں ہوا اور وہیں درگاہ کے احاطہ

علہ بوارق الولايت (انفاس العارفين) مطبع احمدی دہلی۔ مطبوعہ المعارف لاہور ۳۵۸۔ علہ شاہ ولی اللہ کے
 سیاسی مکتوبات مکتوب دوازم ص ۱۹۶۔ علہ مکتوبات المعارف مطبع انوار العلوم سہارنپور ۱۳۰ھ۔ علہ مکتوبات
 المعارف ۱۳۰ھ۔ درگاہ ایک احاطہ کا نام ہے جس میں چار مزارات ہیں ایک شاہ محمد عاشق کا دوسرا شاہ محمد فالح کا تیسرا شاہ محمد
 عمر بن شاہ اہل اللہ کا اور چوتھے مزار کے متعلق صحیح اطلاعات حاصل نہ ہو سکیں۔

کے باہر مدفون ہوئے۔

شاہ اہل اللہ کے چند تبرکات اب تک پھلت میں موجود ہیں (۱) موہ مبارک اس کا قصہ شاہ ولی اللہ نے یہ بیان کیا ہے کہ والد نے فرمایا کہ ایک بار بخار کے تسلسل سے میری حالت غیر ہو گئی، ایک دن خواب میں نانا (شیخ عبدالعزیز شکر بار) نظر آئے اور انھوں نے فرمایا کہ حضور تشریف لارہے ہیں۔ پھر حضور تشریف لے آئے اور فرمایا میرے بیٹے! کیا حال ہے؟ میں (اس شان شفقت و زحمت عبادت کو دیکھ کر فرط طرب سے اور وجد میں آکر) رونے لگا۔ سرکار نے مجھے اپنی آنکھوں میں لے لیا، میرا چہرہ آپ کے سینہ مبارک سے لگا ہوا تھا اور میرے اشکوں سے آپ کا پیرا ہن مبارک تر ہو گیا، جب یہ کیفیت کم ہوئی تو مجھے خیال آیا کہ کاش سرکار مجھے موہ مبارک عطا فرمادیں۔ اس خیال کی اطلاع پا کر آپ نے ریش مبارک پر ہاتھ پھیرا اور دو موہ مبارک مجھے عطا فرمائے میں نے بیدار ہو کر وہ موہ مبارک اپنے تکیہ کے نیچے پائے۔ بخار اتر گیا تھا مگر کمزوری باقی جو چند روز میں دور ہو گئی شاہ عبدالرحیم نے ان میں سے ایک موہ مبارک شاہ ولی اللہ کو عطا فرما دیا تھا۔ اور دوسرا شاہ اہل اللہ کو دہلی میں اس موہ مبارک کی سالانہ زیارت کرائی جاتی تھی۔ مولانا فضل رسول بدایونی کا بیان ہے کہ موہ مبارک کا صندوق زیارت کے لیے گھر سے باہر شاہ اسماعیل اپنے سر پر اٹھا کر لائے تھے۔

شاہ اہل اللہ کے حصے میں جو موہ مبارک آیا تھا وہ اپنے ساتھ پختہ لے گئے تھے اور وہاں محفوظ ہے۔ لکڑی کا ایک صندوق ہے اس میں ایک شیشی ہے جس میں روئی کے اوپر موہ مبارک رکھا ہوا ہے، ارباب پھلت کا بیان ہے کہ یہ روئی شیشی اور صندوق وہی ہے جو شاہ اہل اللہ کے دور میں تھے۔

(۲) مصحف مبارک، خط طبری میں ایک مصحف کلام مجید ہے جس کا عرض تقریباً

عہ الفاس العارفین ص ۷۰ والد الثمین ص ۷۰۔ عہ البوق المحمدیہ لرحم الشیاطین الحمدیہ طبع ۱۲۶۵ھ

۲۔ پنج اور طول تقریباً ۱۲ ۱/۲ فٹ ہے، غالباً عہد جہانگیر میں لکھا گیا ہے۔ یہ مصحف شاہ اہل اللہ کو اپنے دادیہاں سے ورثہ میں ملا تھا یا ناہماں سے یہ معلوم نہ ہو سکا۔ شاہ اہل اللہ نے لکھا ہے کہ ان کے نانا شیخ محمد پھلتی پر شیخ آدم بنوری کے خلفاء میں سے ایک بزرگ شیخ جلال بہت مہربان تھے انہوں نے وصال کے وقت وصیت کی تھی کہ ان کا مصحف شیخ محمد کو دے دیا جائے ممکن ہے یہی مصحف شیخ محمد سے شاہ اہل اللہ کو ورثے میں ملا ہو، العطیہ الصمدیہ (انفاس) ص ۱۱۱

(۳) نعل مبارک، لکڑی کی ایک طاق کھڑاؤ (جفت نہیں) غالباً دوسرا طاق شاہ ولی اللہ کو دیا گیا تھا۔ یہ نعل مبارک کس ذات گرامی سے نسبت رکھتا ہے؟ اس کی تحقیقات کا اتفاق نہیں ہوا۔

(۴) قدم شریف، اس کی بھی تفصیل حاصل کرنے کی توفیق نہیں ہوئی حضرت شاہ اہل اللہ کا قیام اپنے نانا (شیخ محمد) کے یہاں تھا، اس کا وجہ سے یہ تبرکات شاہ اہل اللہ کے اخلاف کے قبضے میں ہونے کے بجائے شیخ محمد کے اخلاف کے قبضے میں ہیں۔

(۵) ایک مصحف کلام مجید قلمی جس پر حاشیہ میں آیات و سورت کی شان نزول خاص طور پر تحریر تھی مولانا عاشق الہی میرٹھی نے مولانا محمد حسین بنیرہ شاہ رفیع الدین کا نسخہ منشی فرحت اللہ صاحب سے حاصل کر کے شائع کر دیا انہوں نے مقدمے میں اس کا ذکر کیا ہے۔

(مکتوب مولوی حکیم انیس احمد صدیقی بنام راقم الحروف)

اخلاف | شاہ صاحب کے ایک صاحب زادے شاہ مقرب اللہ تھے۔ افسوس ہے کہ ان کے متعلق صرف اس قدر معلوم ہے کہ ۱۱۶۶ھ میں جب شاہ ولی اللہ کا دہلی میں وصال ہوا تو وہ دوسرے اعزاز پھلت خصوصاً اپنے والد کے ساتھ اس وقت دہلی میں تھے۔ علیہ

نیز حیاتِ ولی میں شاہ اہل اللہ کے نام شاہ عبدالعزیز کا عربی میں ایک خط ہے، جس میں ان کے یہاں ایک بچے کی ولادت پر مبارکبادی ہے، جس میں دعائیہ الفاظ سے قیاس ہوتا ہے کہ وہ نو مولود مقرب اللہ تھے، اطال عمرہ واسعدہ وجعلہ مقرب جناب اللہ ورباہ فی ظلل اہل اللہ ص ۳۲۵

شاہ مقرب اللہ کے صاحب زادے شاہ معظم اللہ تھے علیہ ان کے صاحب زادے شاہ محتشم اللہ تھے جن سے شاہ محمد اسحاق دہلوی کی صاحب زادی منسوب تھیں اور ۱۲۵۸ھ میں جب شاہ اسحاق نے مکہ معظمہ ہجرت کی تو وہ بھی شاہ صاحب کے ساتھ ہی تھے، حافظ بھی تھے بہ ان کے ایک فرزند مولوی عبدالرحمن تھے، مولانا عبید اللہ سندھی نے شاہ ولی اللہ کی کتاب المسوی شرح الموطا کا مخطوطہ ان ہی مولوی عبدالرحمن کے ورثہ سے حاصل کیا تھا، مولانا سندھی نے المسوی کے مقدمہ میں شاہ ولی اللہ کی ایک سند بھی نقل کی ہے جو شیخ جار اللہ بن عبدالرحیم ساکن پنجاب کو عطا ہوئی تھی، یہ سند بھی مولانا کو ورثہ مولوی عبدالرحمن سے حاصل ہوئی تھی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ محمد اسحاق اپنے ساتھ اپنے خاندانی نوادر جو انھیں شاہ عبدالعزیز کا نواسہ اور جانشین ہونے کی حیثیت سے ملے ہوں گے، لے گئے تھے، شاہ اسحاق کے وصال کے بعد ظاہر ہے کہ وہ ان کے نوادوں سے ملے ہوں گے۔ پتا نہیں یہ نوادر اور تبرکات اب کس کے قبضے میں ہیں۔

شاہ اہل اللہ کے ایک اور صاحب زادے تھے جن کا نام پھلت کے بزرگوں کی زبانی روایت کی بنا پر محمد عمر تھا ان کا مزار بھی درگاہ میں ہے، اس سے زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ ان کے دو صاحب زادوں «مولوی محمد یوسف ۱۲۱ مولوی محمد عثمان کا ذکر سید احمد شہید کی تحریک جہاد کے

علہ مقالات طریقت میں ان کا نام محمد معظم اور عرف "مولوی محمدی" لکھا ہے ص ۲۴۲ علہ مقالات

طریقت ص ۲۴۲ علہ مکہ معظمہ میں آپ (شاہ یعقوب) کے خلیفہ اور جانشین ہیں۔ خدا تعالیٰ سلامت باکرامت کے۔ مقالات ص ۲۴۲۔

سید احمد شہید جب ۱۸۱۸ء میں نواب امیر خاں بانی ٹونک سے منقطع ہو کر دہلی آئے تو بیعت کا سلسلہ شروع ہوا، اولین بیعت کرنے والوں میں مولوی محمد یوسف پھلتی تھے جو شاہ اہل کے پوتے تھے۔ سید صاحب کا شہرہ سن کر شاہ اسماعیل اور مولوی عبدالحی بڈھاٹوی نے مولوی یوسف صاحب سے کہا تھا کہ پہلے تم بیعت کرو اور جو فیوض و برکات حاصل ہوں ان کی تفصیل ہمیں بتاؤ تو پھر ہم بھی بیعت کریں گے، چنانچہ مولوی محمد یوسف سید صاحب سے بیعت ہوئے اور زندگی کے آخری سانس تک سید صاحب کے رفیق، معتمد، مشیر، خزینہ دار اور دروغہ رہے۔ ہندستان کے دورے اور سفر حج میں ساتھ تھے اور پھر ساتھ ہی سرحد کی طرف ہجرت کی اور جہاد میں شریک رہے۔ شوال ۱۲۴۲ھ / ۱۸۲۷ء میں اوج (نزد سوات) میں انتقال فرمایا۔ سید صاحب نے فرمایا۔ مولوی صاحب (یوسف جی) لشکر اسلام کے قطب تھے۔ علیہ

مولوی محمد یوسف کے دوسرے پھائی مولوی محمد عثمان تھے، نومبر ۱۸۱۸ء میں سید صاحب یوپی کا دورہ کرتے ہوئے پھلت پہنچے تو جن حضرات نے سید صاحب کی دعوت کی تھی ان میں مولوی محمد عثمان بھی تھے۔

تالیفات

انفاس رحیمیہ | شاہ اہل اللہ کی یہ سب سے پہلی تالیف ہے، کیوں کہ یہ ان کے والد (شاہ عبدالرحیم) کے خطوط کا مجموعہ ہے جو انھوں نے والد کے حیات ہی میں ۱۱۳۱ھ سے پہلے جمع کر لیے تھے، اور والد کی نظر سے

علیہ منظورہ السعدانی احوال الفزاة والشہداء از جعفر علی تقوی (مخطوط کتب خانہ سعیدیہ

ٹونک) و مخزن احمدی از مولوی محمد علی رائے بریلوی ص ۳ و جماعت مجاہدین از غلام بھل

بہار۔

بھی یہ مجموعہ گزر چکا تھا اور انھوں نے اس کی ترتیب کی تائید کی تھی۔
یہ مجموعہ مطبع احمدی دہلی اور مطبع مجتبائی دہلی سے طبع ہو چکا ہے۔

تخریج احادیث ہدایہ | شاہ عبدالغنی مجددی کے شاگرد مولوی محمد محسن ترہستی
ایلیغ الجنی (تالیف، ۱۲۸ھ) میں لکھتے ہیں علیہ

شاہ ولی اللہ کے ایک بھائی بھی تھے۔
جن کا نام شیخ اہل اللہ تھا اور جو اہل اللہ
اور صاحب علم تھے، مجھے ان کے حالات
کا اس سے زیادہ پتا نہیں ہے کہ انھوں
نے ایک بڑی نفیس کتاب لکھی ہے جس
میں ہدایہ کی حدیثوں کی تخریج کی ہے۔ میں
نے اس کتاب کے چار باب دیکھے ہیں
یہ ایک مختصر کتاب ہے جس میں الفاظ کم
اور منافع زیادہ ہیں۔

وكان لولي الله اخ سمى الشيخ
اهل الله كان من الله واهل
العلم به لم يبلغني من خبره
فوق ان له كتاباً لطيفاً
في تخریج احادیث الهدایہ
سأئیت له الابواب الاربعه
مختصره فيه كلمات جامعة
یکثر نفعها

علیہ ایلیغ الجنی ص ۹۴۔ اسی بنیاد پر ہم نے شروع میں یہ عرض کیا تھا کہ بعض مورخین کا یہ خیال غلط ہے کہ انھوں نے
اپنے بڑے بھائی شاہ ولی اللہ سے تعلیم حاصل کی تھی۔ شاہ ولی اللہ ۱۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے تھے اور شاہ عبدالغنی
کی وفات ۱۱۳۱ھ میں ہوئی تھی۔ شاہ اہل اللہ اگر بڑے بھائی کی ولادت کے تقریباً دو سال بعد ۱۱۱۶ھ میں پیدا
ہوئے ہوں گے تو ۱۱۳۱ھ میں تقریباً ۱۵ سال کے ہوں گے۔ اور اس قابل ہوں گے کہ والد کے خطوط کی اہمیت
کو سمجھ سکیں، ان کی جمع و تدوین کی فکر کریں اور والد بھی انھیں اس لائق سمجھیں ۱۵ سال سے کم عمر میں عام حالت
میں آدمی اس قسم کے کاموں کا اہل ہوتا ہے نہ اس کی اہمیت کو سمجھتا ہے، اگر ہمارا یہ قیاس صحیح ہے۔ یعنی وہ
اپنے بڑے بھائی سے تقریباً دو سال چھوٹے تھے تو مورخین کا یہ قول بھی غلط ہے کہ انھوں نے دو سال بڑے
بھائی سے تحصیل علوم کی تھی اور وہ بھی والد کی حیات میں، پھر نہ تو اس قول کا کوئی ماخذ بیان کیا گیا
ہے، نہ شاہ ولی اللہ نے اس کا ذکر کیا ہے، یہ ضرور لکھا ہے کہ سترہ سال کی عمر میں والد کی
وفات کے بعد وہ مسند درس پر بیٹھے۔

ایلیخ الجنی کے علاوہ اس کتاب کا کہیں تذکرہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ بہر حال
ترہتی نے خود دیکھی تھی اس لیے کتاب کے وجود میں شک ہی نہیں ہے۔

تلخیص ہدایہ | یہ مشہور کتاب ہدایہ کا خلاصہ ہے، خلاصہ اس طرح کیا ہے کہ فقہاء
کے مناقشات حتیٰ کے صاحبین امام اعظم کے اختلافات تک کا ذکر
نہیں کیا صرف امام اعظم کے مسلک فقہی کو پیش کیا ہے اور اس کی تائید میں صحاح
ستہ اور مستدرک حاکم کی احادیث نقل کی ہیں۔ اس کتاب کا ایک مخطوطہ عبدالرشید
مرحوم (فرزند مولوی حسین) کے پاس تھا جس کی خصوصیت یہ تھی کہ مولوی عبدالقیوم
محدث بڈھانوی کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ مولوی عبدالرشید کا بیان ہے کہ اس کتاب
کے دوسرے مخطوطات کتب خانہ نواب حبیب الرحمن خاں شروانی، کتب خانہ اصفیہ
میں اور مولانا عبدالعزیز میمنی کے پاس ہیں۔

اصول فقہ | مختصر و مفید رسالہ بھی مولوی عبدالرشید کے پاس تھا جو ان کے والد
مولوی محمد حسین مرحوم بریلوی بنگلور میں ایک قلمی نسخے سے نقل کیا
تھا۔

تفسیر قرآن | عربی زبان میں شاہ صاحب نے قرآن کی یہ تفسیر قدیم مفسرین کے
انداز پر اور ارباب تصوف کے مذاق کو ملحوظ رکھ کر کی ہے، اس کا
ایک مخطوطہ ریاست ٹونک کے کتب خانہ سعید یہ میں محفوظ ہے۔
چہار باب | یہ فارسی زبان میں ۵۰ صفحات کا ایک رسالہ ہے جو چار ابواب پر مشتمل
ہے۔

باب اول در بیان عقائدے کہ دانستن آن بہ ہر مسلمان لازم است۔

باب دوم در بیان آنچه عمل آن فرض یا واجب یا سنت یا مستحب است۔

باب سوم در فضائل اعمال

باب چہارم بعضے از نصائح

یہ رسالہ پہلی بار ۱۲۵۸ھ میں مطبع مصطفائی لکھنؤ سے شائع ہوا تھا۔

کنز الدقائق کا ترجمہ فارسی | شاہ صاحب نے فقہ کی مشہور کتاب کنز الدقائق
کا بھی فارسی ترجمہ کیا تھا، یہ ترجمہ تو اب تک طبع نہیں

۱۰۰ معارف جلد ۱۱۰ شماره ۶۰ مولوی عبدالرشید بریلوی کتب خانہ سعید یہ ٹونک

ہوا، مگر مولوسی محمد احسن نالوتوی نے اس فارسی ترجمہ کا جو اردو ترجمہ کیا تھا وہ مطبع صدیق بریلی سے ۱۸۴۱ء میں چھپا تھا۔ اس ترجمہ کی دوسری اشاعت ترجمہ کی نظر ثانی کے بعد مطبع مجتہائی دہلی سے اور تیسری اشاعت مطبع قیومی کانپور سے ۱۹۱۹ء میں ہوئی تھی۔

شاہ صاحب نے شیخ الریس کے "قانون" کی مشہور تلخیص موجز القانون (از علاؤ الدین علی بن خرم القرشی) کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ مگر اس کتاب کے کسی

ترجمہ موجز القانون فارسی تکملہ یونانی تکملہ ہندی

مخطوطے کا ذکر دیکھنے میں نہیں آیا اس کے وجود کا علم بھی اس کے دو تھکوں سے ہوا ہے، جو تکملہ یونانی اور تکملہ ہندی کے نام سے برعظیم کے مشہور کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں اور طبع بھی ہو چکے ہیں۔

تکملہ یونانی کے آغاز میں لکھتے ہیں کہ موجز کے ترجمہ فارسی سے فراغت کے بعد میں نے سوچا کہ سبنا سے یونانی کو بھی جمع کر دو۔ اس کتاب کا جو مخطوطہ کتب خانہ اصفیہ میں ہے اس کے اوراق ۱۸ ہیں۔ تکملہ ہندی کے آغاز میں فرماتے ہیں تکملہ یونانی کے ساتھ میں نے سوچا کہ ادویہ ہندی بھی مرتب کر دوں، اصفیہ، اوراق ۴۲، یہ کتاب مولوی سید ظہیر الدین عرف سید احمد ولی اللہی نے مطبع احمدی متعلقہ مدرسہ عزیزبہ سے شائع کر دی تھی، سن طبع مطبع عزیزبہ کی دیگر مطبوعات کی طرح اس پر بھی درج نہیں ہے ویسے اس کے سن طباعت کی تخمین یوں کی جا سکتی ہے کہ صاحب نزہۃ الخواطر جب ۱۸۹۴ء میں مولوی سید احمد سے دہلی میں ملے تھے تو یہ کتاب زیر طباعت تھی، دہلی اور اس کے اطراف مولانا سید عبدالحی ص ۶۶ صفحات ۸ کتاب کے آخر میں شاہ اہل اللہ کے حالات بھی تحریر کیے گئے جو میرے علم کے مطابق سب سے مستند اور مفصل تحریر ہے۔

فوائد | مولوی سید احمد ولی اللہی لکھتے ہیں مٹہ ایک رسالہ معنون بہ فوائد آپ کی تصنیفات سے ہے، اس میں طریقت کے معارف اور حقیقت

عہ مولانا محمد احسن نالوتوی از پروفیسر محمد ایوب قادری، کراچی ۱۹۴۱ء

عہ تکملہ ہندی ص ۶۶ مطبع احمدی دہلی۔

۶۸ کے اسرار بیان کیے گئے ہیں۔

شاہ اہل اللہ کے انداز تحریر اور فارسی انشاء کے نمونے کے طور پر
چند مکاتیب | ذیل میں ان کے چند مکاتیب، مکتوبات المعارف سے نقل کیے

جاتے ہیں :-

مکتوب :

حضرت شاہ اہل اللہ چھاتی برادر خور و حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی

بنام شاہ ابوسعید حسنی رحمۃ اللہ علیہ

بخدمت حقائق و معارف آگاہ فضیلت و کمالات دست گاہ سیدنا سید ابوسعید
جیو سلمہم اللہ و ابقاہم — از فقیر اہل اللہ بعد از سلام ملتس است کہ خط بہجت
نمط رسید آنچه از راہ مہربانگی و شفقت کہ در بارہ این فقیر مبذول میدارند عنایات
و توجہات ظاہری و باطنی مصروف فرمودند شکر آن بکدام زبان بیان نمودہ ایہ ...
حضرت سبحانہ و تعالیٰ ترقیات دارین و کمالات کونین نصیب آن باذل نفسہ
نی مرضات اللہ گرداند چنانچہ ایس نیازمند را از فکر معاش نجات بخشیدند و حل و علا
از جمیع حاجات از دین و دنیا ذات سانی را خلاص و نجات عنایت فرماید —
توقع آنست کہ این درد کہ بہ بخشی رام حوالہ شدہ است بوضع جریان دادہ شود کہ
اینجایا بردیگر پرگنہ کہ بلا کلفت میسر آمدہ باشد ماہ بہ ماہ بلا وقت بدست می آمدہ
باشد زیادہ چہ - و ہرچہ صلاح دید صاحب بود بہتر است - بخدمت میاں
محمد عتیق جیو سلام رسد - حسب الایمانی خط شکر گزاری بنجان رفعت نشان
مرقوم شدہ اگر مناسب دانند بگزارند -

ایک مکتوب گرامی میں حضرت شاہ اہل اللہ حضرت رائے بریلوی کو تحریر فرماتے

ہیں :

(۱) احوال یومیہ کہ از توجہ و جہیہ صورت گرفتہ است ، بفضل الہی تا حال تحریر
جاری است و ایس نیازمند با دیگر کس و کوئے خود رطب اللسان شکر گزاری است

اللہ تعالیٰ دیرگاہ سلامت دار و فقیر زادہ محمد مقرب اللہ سلام نیازی رساند۔
زیادہ چہ نویسید۔

(۲) مکتوب حضرت شاہ اہل اللہ بنام شاہ ابواللیث حسنی ملقب بہ ابوالعیش فرزند
حضرت شاہ ابوسعید حسنیؒ!

عزیز القدر سیادت مرتبت سید ابوالعیش سلمہؒ ربہ بعد از سلام شوق التیام
مطالعہ نمایند کہ شوق دیدار ایشال از استماع سعادت مندی شان زبانی والد
بزرگوار بحد کمال است۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ بعافیت طرفین و خیریت جانبین ملاقا
مسترت آیات میسر فرماید۔ یقین است کہ باشندغال علوم ظاہری و تحصیل
سلوک باطنی از جناب قبلہ گاہ خود کہ مجمع کمالات دارین اند مشغول خواہید بود کہ
بزرگ زادہ خاندان عالیہ را ازین ہر دو چیز ناگزیر است۔ زیادہ بجز شوق و
دعا چہ نویسید۔

نصائح
شاہ اہل اللہ نے اپنی کتاب چہار باب علیہ میں آخری (چوتھے) باب میں
جو چھبیس نصائح لکھے ہیں، ان میں سے نقل کیے جاتے ہیں!

زندگانی چند روز است بدانند کہ
آخر گزشتنی ست از بہر دنیا با کسے عداوت
و دشمنی نگیرند کسے را عیب نکنند و بد
نگویند خصوصاً عیب یک فرقہ خاص
را علانیہ ذکر نکنند و تا تو انہد بر کسے حسد
نبرند و دروغ بے فائدہ بر زبان نیاورند
سخن بحد کسے بہ کسے نرسانند و خود را از
بخل و جبن تا تو انہد پاک گردانند و بر آنچه
رضائے اللہ تعالیٰ است راضی باشند
و خود را بزرگ ترین و کلال نشمارند و

دنیوی زندگی چند دن کی ہے، خیال رکھیں
کہ یہ آخر گزر جائے گی اس لیے دنیا کے
لیے کسی سے عداوت اور دشمنی نہ رکھیں اور
کسی سے کسی کا عیب نہ کہیں اور اسے بُرا
نہ کہیں خصوصاً کسی خاص فرقے کا عیب
بھری محفل میں نہ کہیں جہاں تک ہو سکے
کسی سے حسد نہ کریں اور بے فائدہ جھوٹ
نہ بولیں اور کسی کی بُری بات دوسرے تک
نہ پہنچائیں اور خود کو کنجوسی اور بزدلی کے
الزام سے جہاں تک ہو سکے محفوظ رکھیں۔

علہ مطبع مصطفائی لکھنؤ ۱۲۵۸ (مگر ہم یہاں وصایا اربعہ مرتبہ پر دنیسہ محمد ایوب قادری سے نقل کر رہے ہیں)

فخر و نخوت را در دل راہ نہ ہند و تا تو اند
در اصلاح عالم بکوشند و در میان، هیچ
کس نقیض و فساد نید از نہ و در اکل
حلال و صدق مقال و استقامت احوال
سعی کلی نمایند کہ سر جمیع طاعات و عبادتیں
جملہ عبادات است و از کلمہ خیر
در حق خویش و بیگانہ باز نہ آئند و در
امر معروف و نہی عن المنکر سعی بلیغ
گمارند و اگر نتوانند بدل ناخوشی دارند
و خود مرتکب آن نشوند،

ایام حیات و صحت خود را غنیمت
شمارند بغیر ضرورت تمام در مہلکہ
نیفتند اگر مرین شونہ پیش طبیب حاذق
بروند و اختیار در دست او دہند و در
تدبیر دوا و غذا مخالفت نہ نمایند
و بے ظہور خطائے فاحش طبیب
دیگر نہ طلبند۔

در شادی و غم و غصہ چنان فعلی
نکنند کہ بار دیگر ندامت آن کشند و در
وقت غضب عنان خود بگیرند چنان
حرف سخت نگویند کہ اگر باہم موافقت

اور اللہ تعالیٰ کی مرضی پر راضی رہیں اور
خود کو بڑا نہ سمجھیں اور دل میں فخر (بے جا)
اور گھمنڈ نہ پیدا ہونے دیں اور دنیا کی
اصلاح و درستگی کی کوشش کریں اور کسی
کو کسی سے نہ لڑائیں اور حلال روزی کمانے
پر صحیح بولنے اور راست روی کی پوری کوشش
کریں اس لیے کہ یہی روح طاعات اور
اصل عبادات ہے اور اپنے اور پرانے
کو نصیحت کرنے میں کوتاہی نہ کریں اور
اچھی باتوں پر اگسانے اور بُری باتوں پر
ٹوکنے کی سعی بلیغ کریں اور اگر یہ ممکن نہ ہو
توان (برائیوں کو) دل سے تراجمیں اور کم
سے کم خود ان کا ارتکاب نہ کریں۔

اپنی زندگی اور تندرستی کو غنیمت سمجھیں
بے ضرورت ہلاکت میں نہ پڑیں اگر میار
ہو جائیں تو کسی طبیب حاذق کے پاس
جائیں اور اس کے ہاتھ میں اختیار دے
دیں اور احتیاط، دوا اور پرہیز کے باب میں
اس کی ہدایات کے خلاف ورزی نہ کریں
اور جب تک اس طبیب سے کھلی کھلی
کوئی غلطی نہ ہو جائے دوسرا طبیب نہ بدلیں۔
خوشی، رنج اور غصے کی حالت میں کوئی
ایسا کام نہ کریں کہ دوسری بار اس کی ندامت
اٹھانی پڑے اور غصے میں خود پر قابو نہیں
مقابل سے کوئی ایسی بات نہ کہیں کہ دوبارہ

شود نجلت ازاں کشند۔

۷۱
اتفاق اور باہم صلح ہو جائے تو اس سخت
بات کہدینے کی شرم محسوس ہو۔

دولت کی ریل پیل اور فقر و فاقہ میں
جہاں ننگ ہو سکے اپنے پہلے کے عادات
و اطوار میں فرق نہ آنے دیں، نہ اپنی دولت
پر اترائیں، نہ تنگ دستی و پریشانی حالی
سے پست ہمت ہوں کہ آسمان گردش میں
رہتا ہے اور زمانے میں انقلاب آتے
رہتے ہیں۔ (کل آپ کی حالت بدل سکتی

در غنائے وافر و فقر مفرطاً تاوانند
از اخلاق قدیم خود نگرند و بردولت
خود چنداں ننازند از عزبت و فقر
فولش چنداں ننازند کہ گردون گردان
است و جہاں زربنج و راحت گیتی مر نجان
دل مشو خرم کہ آئین جہاں گاہے چنین
گاہے چناں باشد

ہے) زربنج و راحت گیتی مر نجان دل مشو خرم
کہ آئین جہاں گاہے چنین گاہے چناں باشد
ہر جگہ اور ہر مقام کے باہم گفتگو اور
نشست و برخاست کے طور طریق کا خیال
رکھنا ضروری اور لازمی ہے۔ خاص طور پر
عام محفلوں میں ان طور طریقوں کا لحاظ رکھنے
کی ہر ممکن کوشش کریں اور اس کا اہتمام
کریں کہ کسی شخص سے بڑی بات اور یہودہ
حرکت سرزد نہ ہونے پائے اور کسی بات
میں شرکاء محفل کے خلاف طبیعت کام نہ
کریں اور صدر رزم کی خاطر داری کو اہم ترین
ضروریات میں شمار کریں، اور اگر خود میر
محفل ہوں تو ہر شخص کی حیثیت کے مطابق
اس کی تعظیم و تکریم کا لحاظ رکھیں اور بے
تامل کوئی ایسی بات نہ کہیں نہ کوئی ایسا

رعایت و آداب گفت و شنفت
و نشست و برخاست ہر جا و ہر مکان
ضرور و لازم است خصوصاً در مجالس
عامہ کہ در مرغی داشتن آن جہد بلیغ
نمایند و محافظت تمام کنند کہ از بیچ
کس سخن بے جا حرکت و لغو سرزد و
نشود و در بیچ امرے مخالفت اہل مجلس
رواندارند و رعایت مرغی رئیس آن را
از ہم ضروریات شمارند و اگر خود سالار
مجلس باشند باحوال ہر کس موافق قدر
اور در تعظیم و تکریم رعایت کنند و ہر ملا
حرفے نہ گویند و فعلے نسازند کہ ہر بیچ
کس از رئیس و خیس گراں اقتد۔

کام کریں جو محفل کے خواص و عوام پر گراں گزرے۔

عقل و ہوشیاری اور سمجھ بوجھ اگرچہ پیدائشی صفات ہیں لیکن یہ تجربات کی کثرت، عقل مندوں کی صحبت اور علوم عقلیہ (منطق و فلسفہ) حاصل کرنے سے ترقی کر سکتی ہیں۔ آدمی کو چاہیے کہ یہ کوشش کرے کہ اس کے قوائے عقلیہ روز بروز قوی تر ہوتے جائیں اور کوشش اور چٹیکے سے خود کو عقلمندوں میں شامل کرنا چاہیے تا سمجھوں اور بدصوؤں کے گروہ میں محسوب ہونے سے بچنا چاہیے۔

عقل و کباست و فہم و فراست
ہر چند امر جلیق ست اماں بکثرت تجربہ
و صحبت عقلا و کسب علوم عقلیہ و امتناع
قصص و نصائح فی افزائند پس باید
کہ چناں کوشند کہ ہر روز قوائے
عقلیہ قوی کردہ می باشند و خود را
تکلیف و فکر از عقلا گردانند و
در زمرہ سفہا نگذارند۔

شاہ ولی اللہ کے خلیفہ اعظم

شاہ محمد عاشق پھلتی

شاہ محمد عاشق کے شاہ ولی اللہ سے کئی رشتے اور تعلق تھے، وہ شاہ صاحب کے میرے بھائی، نسبتی بھائی، سمدھی، رفیق طفلی، شریک درس، شاگرد اور مسٹر شد و خلیفہ تھے۔

شاہ محمد عاشق کے والد شیخ عبید اللہ تھے جو شاہ ولی اللہ کے خسر تھے، اور دادا شیخ محمد تھے جو شاہ عبدالرحیم کے خسر تھے۔ شاہ ولی اللہ نے اپنے نانا شیخ محمد کے حالات پر ایک رسالہ العظیۃ الصمدیہ فی النفاس الحمدیہ لکھا تھا جو ان کی کتاب کے سات ابواب میں سے ایک باب ہے (۶۹ تا ۱۰۸، مطبع احمدی دہلی) یہی کتاب شاہ محمد عاشق کے اسلاف کے متعلق ہمارا واحد ماخذ ہے اطلاق کے متعلق ہم اس خاندان کے موجودہ ارکان کی زبانی روایات اور جس کتابی ماخذ کی بنا پر جو کچھ بیان کریں گے اس کا بر محل حوالہ دے دیں گے۔

شاہ محمد عاشق کے اسلاف نسلاً صدیقی تھے اور کسی زمانے میں حجاز سے برعظیم کے علاقہ پورب میں بلدہ سدھور علہ میں مقیم ہو گئے تھے، ان میں سے ایک بزرگ شیخ احمد بن یوسف کی رسالی سلطان سکندر لودھی (ف ۱۵۱۶ء) کے

علہ "سدھور قریہ من اعمال بارہ بنکی من ارض اودھ" (نزہتہ ثامن ص ۸۵) علہ حکیم انیس احمد صدیقی کا بیان ہے کہ شیخ احمد بن یوسف سکندر لودھی کے استاد تھے، حکیم صاحب کا سلسلہ نسب شیخ احمد ہی سے ملتا ہے، انیس احمد بن علاء الدین بن محمد بن عبدالواسع بن عبدالحکیم بن عبد الغنی بن عبد اللعالی بن صدر جہاں بن بدر عالم بن شیخ محمد بن ابی القاسم بن شیخ احمد (تقدیم اگلے صفحہ پر)

دربار میں ہوئی اور بارہمہ کے علاقے میں چند گانو جاگیر میں ملے تو یہ خاندان پورب سے نواحِ دہلی میں منتقل ہو گیا اور پھلت وطن قرار پایا جو ضلع مظفرنگر قصبہ کھتولی کا ایک قریہ ہے اور دہلی سے اس کی مسافت ۶۰ میل ہے۔

شیخ محمد | شیخ احمد بن یوسف کے بھائی شیخ محمود کی پانچویں پشت میں شیخ محمد عاقل بن ابی الفضل، بن ابی الفتح بن شیخ فرید بن محمود بن یوسف

ایک عالم اور صاحبِ دل بزرگ تھے، ان کے بڑے صاحبِ زادے کا نام شیخ محمد تھا، شیخ محمد نے ابتدائی تعلیم پھلت میں حاصل کرنے کے بعد دہلی کا رخ کیا اور شاہ ابوالرضا محمد (ف ۱۱۰۰ھ) سے کچھ دن مستفید ہوئے اور اس کے بعد شاہ عبدالرحیم کے دامنِ کمال و ارشاد سے وابستہ ہو گئے اور تحصیلِ علوم اور تربیتِ باطن سے فراغت حاصل کی، اس کے بعد ایک طویل سفر پر روانہ ہو گئے اور مختلف و متعدد ممالکِ اسلامیہ کا سفر کر کے وطن واپس ہوئے اور درس و ارشاد میں صرف اوقات کرنے لگے ۱۱۲۵ھ میں پھلت میں وفات پائی۔

آپ کی ایک صاحبِ زادی اور دو صاحبِ زادے تھے، صاحبِ زادی کا نام فخر النساء تھا اور وہ شاہ عبدالرحیم کی دوسری اہلیہ اور شاہ ولی اللہ کی والدہ تھیں۔ شاہ عبدالرحیم نے ایک بشارت کی بنا پر جب ساٹھ سال کی عمر میں دوسری شادی کا ارادہ کیا اور شیخ محمد کو اس بشارت اور ارادہ کا علم ہوا تو انھوں نے اپنی نحتِ جگر کی پیشکش کی اور شاہ صاحب سے ان کا عقد ہو گیا، بشارت کے مطابق ان کے بطن سے شاہ ولی اللہ (۱۱۴۴ھ) اور شاہ اہل اللہ (۱۱۱۹ھ) جیسے نامور اور صاحبِ کمال فرزند پیدا ہوئے۔

شیخ محمد کے دو صاحبِ زادے شیخ عبید اللہ اور شیخ حبیب اللہ تھے۔

گذشتہ صفحہ کا بقیہ۔ شیخ احمد کا سلسلہ نسب ۱۷ واسطوں سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ صدیق

امت صلا لاہور ۱۹۶۹ء -

علہ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، دہلی ۱۹۶۹ء خلیق احمد نظامی ص ۲۱۲

شیخ عبید اللہ کی شکل میں تجلی فرمائی جو گویا ایک بچے کی انگلی پکڑے ہوئے میری طرف آرہا تھا اور میرے قریب آکر فرمایا محمد! میں یہ بچہ تیرے گھر پیدا کرتا ہوں، میں نے عرض کی، بار اہلہا! تیری مخلوق ہے جس کے گھر میں چاہے پیدا کر اس روئے کے چند دن بعد شیخ عبید اللہ کی ولادت ہوئی، شیخ عبید اللہ نے اپنے والد سے تحصیل علوم کی اور ۱۱۴۳ھ میں جب شاہ ولی اللہ نے سفر حجاز کیا تو یہ بھی ان کے ساتھ تھے، اور شاہ صاحب نے جن جن شیوخ حجاز سے استفادہ کیا شیخ عبید اللہ بھی ان کے ساتھ تھے، چنانچہ شیخ ابوطاہر بن شیخ ابراہیم گروی نے شاہ صاحب کو صحیح بخاری کی جو سند ۲۲ رجب ۱۱۴۴ھ کو عطا فرمائی تھی اس میں شیخ عبید اللہ کا نام بھی درج کیا تھا، ۱۱۴۵ھ میں حج زیارت اور اخذ حدیث کے بعد وطن واپس ہوئے اور سن ۱۱۵۰ھ میں وصال فرمایا۔ شیخ عبید اللہ کے ایک صاحب زادی فاطمہؑ اور ایک صاحب زادہ شاہ عاشق تھے۔ فاطمہ سے شاہ ولی اللہ کی شادی ہوئی اور ان سے صرف ایک صاحب زادہ شیخ محمد پیدا ہوئے۔

شاہ محمد عاشق شاہ محمد عاشق کے سن ولادت کے متعلق کوئی صراحت نہیں ملے مگر شاہ ولی اللہ کے متعدد اقوال سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب سے عمر میں کچھ سی کم تھے، ابتدائی تعلیم غالباً اپنے والد ہی سے حاصل کی ۱۱۲۸ھ میں شاہ محمد عاشق کی والدہ اور نانی کا انتقال ہو گیا تو غالباً انھیں دہلی بھیج دیا گیا، جہاں شاہ عبدالرحیم کے گھر میں ان کی پھوپھی (فخر النساء) اور شاہ ولی اللہ کے گھر میں ان کی بہن (فاطمہ) تھیں، شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں۔

روزے در او آخر ایام خود (شاہ) شاہ عبدالرحیم نے اپنی زندگی کے آخری

علہ اتحاف النبیا، محتاج الیہ المحدث والفقہیہ، شاہ ولی اللہ، لاہور ۱۹۶۹ء ص ۱۸۔ علہ خاندانی شجرہ سے،

علہ ملاحظہ ہو شیخ محمد پرہارہ مضمون "شاہ ولی اللہ کے ایک گم نام فرزند" (فاران کراچی ۱۹۶۶ء)

علہ الجزء اللطیف ترجمہ عبدالصیف مطبوعہ مطبع احمدی دہلی ص ۱۹۷

علہ۔ بوارق الولاہ ص ۱۴۱ (انفاس)

عبدالرحیم) بایں فقیر و صلاح آثار محمد عاشق اشارت کردہ فرمودند کہ بایک دیگر بسیار دوستی دارند و ایں دوستی سبب ابتہاج و سرور من می شود و ستر ایں کلمہ من بعد بظہور پیوست کہ ایں عزیز بایں فقیر ارتباط طریق پیدا کردہ منتفع شد و امید آنست کہ ایں دوستی مشرف فوائد بسیار باشد۔

دنوں میں، ایک بار میری محمد عاشق کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان دونوں کی آپس میں بڑی دوستی ہے اور اس دوستی سے مجھے بڑی خوشی ہوتی ہے۔ والد مرحوم کی اس بات کا راز بعد میں کھلا، جب محمد عاشق نے خاکسار سے بیعت کی اور نفع حاصل کیا امید ہے کہ یہ دوستی بہت سے مزید فوائد سے منتج ہوگی۔

یہ بات شاہ عبدالرحیم نے اپنی زندگی کے آخری سال (۱۱۳۱ھ) میں فرمائی تھی تو اس وقت شاہ ولی اللہ ۱۶ سال کے تھے، اس لیے شاہ عاشق کو کم از کم ۱۰۱ سال کا ہونا چاہیے (ورنہ اس سے زیادہ تفاوت عمر کی صورت میں "دوستی بسیار" نہیں ہو سکتی) اور ان کی والدہ کی رحلت (۱۱۲۸ھ) کو تقریباً دو سال ہوئے تھے اور وہ غالباً تعلیم و تربیت کے سلسلے میں دہلی میں مقیم تھے۔

شاہ عبدالرحیم کے انتقال کے ۱۲ برس بعد، ۱۱۴۳ھ میں جب شاہ ولی اللہ حج و زیارت کے لیے روانہ ہوئے تو شاہ محمد عاشق اور ان کے والد شیخ عبید اللہ بھی ہمراہ تھے۔ چنانچہ شیخ ابوطاہر گردی نے روایت حدیث کا جو اجازہ ۲۲ رجب ۱۱۴۳ھ کو لکھ کر دیا اس میں لکھتے ہیں: ۱۱

وكان غتمه بحضرة جماعة من الفضلاء منهم خاله المراقب في الله الشيخ عبید الله وابن خاله المذكور الفاضل الايب صاآة كماله و خدين جميل خصاله الذي لم يزل لسانه بذكر الله الواثق بالصمد الخالق مولينا محمد عاشق صانه من البوائق و راقاه الله على الرتب الكمال و صرف عنه كل فائق۔

صحیح البخاری قرأت و سماعت کا ختم کئی فضلا کے سامنے ہوا جن میں سے ایک شاہ صاحب کے ماموں..... شیخ عبید اللہ اور شیخ عبید اللہ کے صاحب زادے..... مولانا محمد عاشق.... بھی تھے۔

۱۹
علہ مولوی سید احمد ولی اللہی نے تاریخ سفرہ ربیع الثانی لکھی ہے (ص ۱۱۱) انتباه فی ملاسل اولیاء اللہ علیہم اجمعین البیہ.

شاہ ولی اللہؒ نے مجھ سے میرے والد کا
ثبت "الامم" سنا..... کتاب کی قرأت
ان کے میرے بھائی شیخ محمد عاشق نے کی۔
میں نے شیخ ولی اللہؒ، ان کے ماموں
اور میرے بھائی کو روایت حدیث کی
اجازت دی۔

و سمع علی الامم..... بقراءة ابن
خالہ الشیخ محمد عاشق،

اجزت لسیدنا الشیخ ولی اللہ
المذکور،..... و لخالہ وابن خالہ
المجدین فی اعلی السلو۔

اخذ فیض، حصول اجازت اور اداء فریضہ جمعہ سے فراغت کے بعد یہ کاروان
فضل و تقوا دیار نبی سے رخصت ہوا اور ۴ رجب سن ۱۲۵ھ کو دہلی پہنچا ملہ
شاہ محمد عاشق کا وصال ۱۱۸۷ھ میں ہوا، مزار پھلت میں ایک احاطہ میں ہے جو
پھلت میں بڑی خانقاہ اور خانقاہ شاہ محمد عاشق کے نام سے معروف ہے۔ اس
میں چار مزارات ہیں۔ (۱) ایک شاہ محمد عاشق کا۔ (۲) شاہ محمد فائق کا۔ (۳) شاہ محمد عمر
بن شاہ اہل اللہ کا۔ چوتھے مزار کی تحقیق نہ ہو سکی۔

اخلاف

شاہ محمد عاشق کے تین فرزند تھے، عبدالرحمن، محمد فائق، شہاد اللہ
عبدالرحمن | شاہ عبدالرحمن غالباً سب سے بڑے صاحب زادے تھے خیال
ہے کہ انھوں نے اپنے والد کے علاوہ شاہ ولی اللہ سے بھی
تحصیل علم کی ہوگی، شاہ ولی اللہ اپنے ایک عربی مکتوب بنام شاہ محمد عاشق میں تحریر
فرماتے ہیں۔

وقد وصل الولد العزیز عبدالرحمن
مع اولادہ بالخیر والعافیہ وقد تلقینا
اور عزیز بنی عبدالرحمن اور ان کے اہل
وعیال (پھلت سے دہلی) بخیر و عافیت

عہ الجزء اللطیف ۱۹۶۔ مکتوب شاہ عبدالعزیز بنام شاہ ابوسعید بریلوی۔ مکتوبات المعارف،
مطبع انوار العلوم سہارنپور ۱۳۰ھ۔ مکتوب جیات ولی اللہ ص ۲۹ طبع دہلی سن ۱۳۱۹ھ۔

تلقیناً حسناً و قرء علی من کتاب فوز الکبیر
شیئاً و عسی ان یقرء علی هذا النمط حتی
یحتم ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پہنچ گئے ہیں اور ہم سے ان کی اچھی طرح
ملاقات ہوئی ہے اور انہوں نے مجھ
سے الفوز الکبیر کا کچھ حصہ پڑھ بھی لیا ہے
اور امید ہے کہ اسی طرح یہ کتاب پڑھ
کر انشاء اللہ ختم کر لیں گے۔

معلوم ہوتا ہے کہ شاہ عبدالرحمن اس وقت تعلیم سے فارغ اور صاحب اہل
و عیال ہو گئے تھے اور ملاقات کے لیے شاہ صاحب کے پاس پہنچے تو انہوں نے
الفوز الکبیر جو اس زمانے میں تالیف کی تھی پڑھانی شروع کر دی۔

شاہ عبدالرحمن کا ایک اہم کارنامہ شاہ ولی اللہ کے مکاتیب کی جمع و تدوین
ہے۔ یہ مجموعہ انہوں نے شاہ ولی اللہ کی حیات ہی میں مرتب کر لیا تھا جو ۲۸۱ مکاتیب
پر مشتمل ہے اس کا دوسرا حصہ ان کی وفات کے بعد ان کے والد شاہ محمد عاشق نے
مرتب کیا تھا جس میں ۷۷ مکاتیب ہیں؛ کل ۳۵۸ مکاتیب دونوں حصوں میں ہیں
جن میں سے سیاسی نوعیت کے مکاتیب جناب خلیق احمد نظامی نے "شاہ ولی اللہ
کے سیاسی مکاتیب" کے عنوان سے شائع کر دیے ہیں۔ جس کی تازہ اشاعت ۱۹۶۹ء
ہمارے پیش نظر ہے۔

شاہ عبدالرحمن کا نو عمری ہی میں شاہ ولی اللہ کے وصال سے ۸/۹ سال سے
قبل ۱۱۶۸ھ میں وصال ہو گیا علیہ شاہ ولی اللہ کو اس حادثہ کی خبر ملی تو انہوں نے
شاہ محمد عاشق کو تعزیت نامے میں تحریر فرمایا: "خبر وحشت اثر رسید نام کہ
در برابر آں چہ نویسم زیر کہ حادثہ واقع شدہ است کہ در عالم بشریت حادثہ شدید
ترازاں نمی باشد" ۲۵ سیاسی مکتوبات۔

ہمارے پیش نظر شاہ محمد عاشق کے اخلاف کا جو قلمی شجرہ ہے اس میں شاہ
عبدالرحمن کے بیٹے۔ پوتے اور پڑپوتے کے نام بترتیب ابوالفضل، ابوالفرح
اور ابوالفتح لکھے ہوئے ہیں۔

عہ خلیق احمد نظامی، سیاسی مکتوبات ص ۷۵

شاہ محمد فائق | شاہ محمد عاشق کے دوسرے فرزند شاہ محمد فائق تھے، شاہ عبدالرحمن کے وصال کی وجہ سے شاہ محمد عاشق ان کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے، یہاں تک کہ سفر میں بھی یہ ساتھ ہی ہوتے تھے، چنانچہ شاہ محمد عاشق کے ایک مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاہ ولی اللہ سے طاقات کے لیے دہلی آئے تھے اور شاہ محمد فائق بھی ان کے ساتھ تھے، اسی طرح شاہ ولی اللہ اپنے مرض الموت میں پھلت تشریف لے گئے تھے اور وفات سے چند روز قبل جب وہ دہلی لائے گئے تو پھلت کے جو اعزہ ان کے ساتھ آئے تھے ان میں شاہ اہل اللہ، شیخ محمد (شاہ ولی اللہ کے سب سے بڑے صاحب زادے) شاہ محمد عاشق اور شاہ محمد فائق بھی تھے۔

شاہ محمد فائق کا عقد اپنے پھوپھا شاہ ولی اللہ کی صاحب زادی امۃ العزیز

سے ہوا تھا۔ علیہ

امۃ العزیز | شاہ ولی اللہ کی ان صاحب زادی کی تاریخ ولادت اگرچہ کہیں نظر سے نہیں گزری مگر ہمارا قیاس یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ کی وفات سے دو سال قبل سن ۱۱۴۴ء میں پیدا ہوئی تھیں، یہ صاحب زادی جیسا کہ عبدالرحیم ضیاء نے مقالات طریقت میں لکھا ہے کہ شاہ صاحب کی دوسری اہلیہ سے تھیں، شاہ صاحب کی دوسری شادی ۱۱۵۴ء میں ہوئی تھی، شادی کے دو سال بعد ۱۱۵۹ء میں شاہ عبدالعزیز پیدا ہوئے اور پھر چار سال کے فاصلے سے ۱۱۶۳ء میں شاہ رفیع الدین، ۱۱۶۷ء میں شاہ عبدالقادر اور ۱۱۷۰ء میں شاہ عبدالغنی پیدا ہوئے اس لیے ہمارا خیال یہ ہے ۱۱۶۱ء = ۱۱۶۲ - ۱۱۶۳ء میں امۃ العزیز پیدا ہوئی ہوں گی۔ خاندانی روایت یہ ہے کہ امۃ العزیز کا عرف "مسیتی" تھا یہ قرین قیاس بھی ہے اس لیے کہ شاہ عبدالعزیز کا عرف "مسیتا" تھا، خود ان کا بیان ہے کہ علی "بندہ را عورات مسیتامی گفتند"

مسیتا اور مسیتی، مسیت سے مشتق ہیں اور مسیت، مسجد کا عوامی تلفظ ہے،

۸۰
جن لوگوں کے بچے بچتے نہیں ہیں، وہ اپنے نونو مولود کو مسجد کی نذر کر دیتے ہیں یہی شاہ صاحب کے یہاں ہوا، شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں:

چوں والدین را کودک بسیار
مردہ بودند مگر برائے من آرزو اکیاں
بود و لآن ہنگام بزرگان بسیار و اولیا
بسیار از یاران والد ماجد مثل شاہ محمد
عاشق و مولوی نوز محمد وغیرہ معتکف
مسجد بودند پس مارا غسل دادہ در محراب
انداختند گویا نذر خدا کردند پس بزرگان
مارا قبول کردہ از طرف خدا انعام
کردند۔

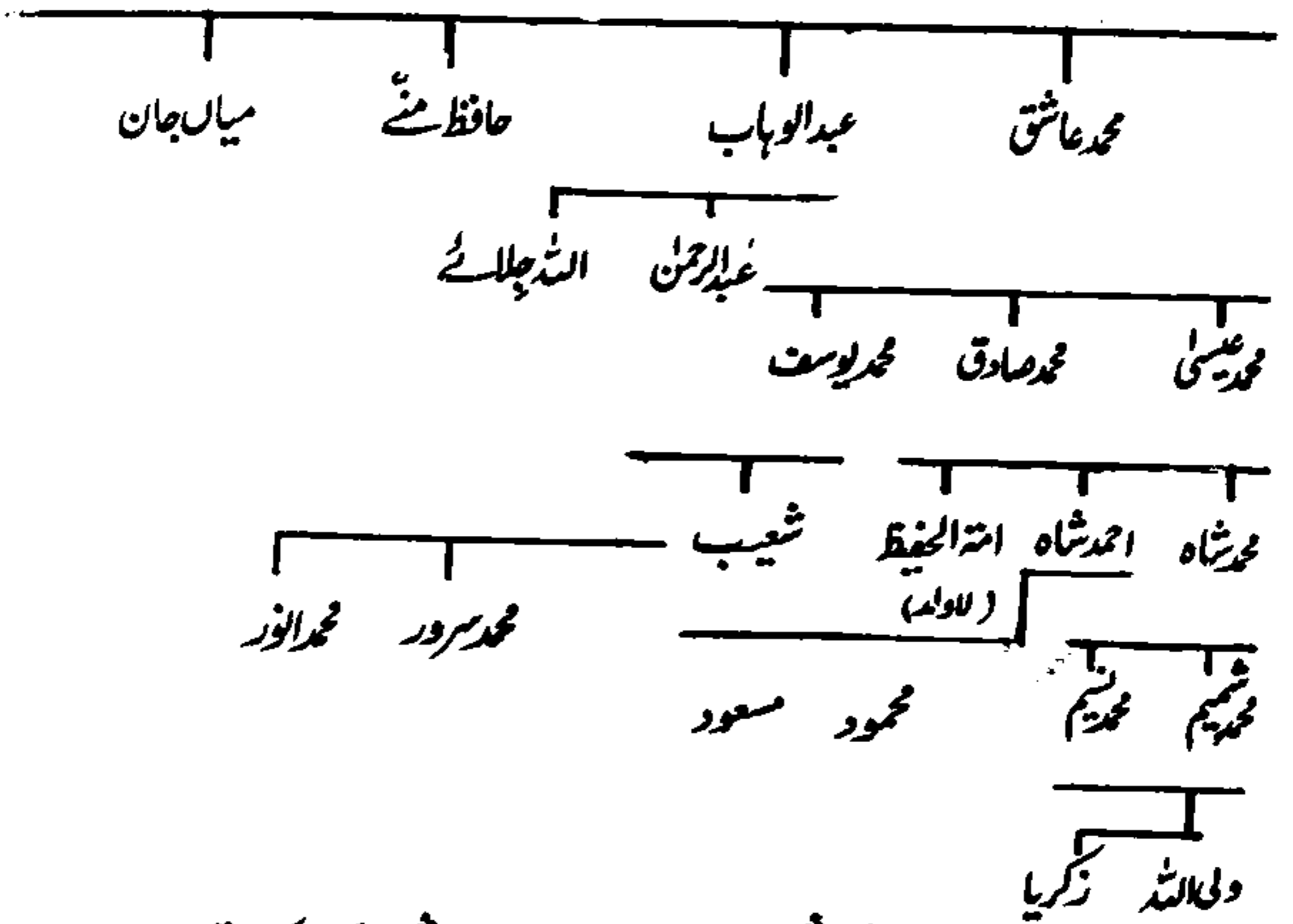
چونکہ والدین کے بہت سے بچے پیدا ہو کر مر چکے تھے، اس لیے میری ولادت کی بڑی آرزو تھی (میری ولادت کے وقت) میرے والد ماجد کے احباب میں سے بہت سے بزرگ اور نیک حضرات مسجد میں معتکف تھے جب میں پیدا ہوا تو مجھے ہنلا کر مسجد کے محراب میں ڈال دیا گیا تو گویا خدا کی نذر کر دیا گیا، پھر ان بزرگوں نے محراب سے اٹھا کر اور اللہ کی طرف سے قبول کر کے میرے والدین کو بخش دیا۔

عین ممکن ہے کہ یہی صورت صاحب زادی کی ولادت کے وقت ہوئی ہو کہ چوں کہ اب تک کوئی لڑکی نہیں ہوئی تھی، اس لیے منت مانی گئی ہو کہ اگر لڑکی ہوئی تو ہم مسجد کی نذر کریں گے، اور جب لڑکی ہوئی تو اس کو بھی خانہ خدا میں لے جا کر خدا کی نذر کیا گیا اور پھر خدا کی طرف سے واپس قبول کر لیا گیا اور سیتی نام رکھ دیا گیا۔ شاہ محمد فائق کا سن رحلت معلوم نہ ہو سکا مگر ان کی سالانہ فاتحہ ۶ رزی قعدہ کو کی جاتی ہے۔ مزار پھلت کی خاندانی درسگاہ میں اپنے والد کے مزار کے برابر ہے۔

اولاد | خاندانی روایت یہ ہے کہ شاہ محمد فائق کے تین لڑکے ہوئے، محمد معصوم، محمد صادق اور عبدالسلام، محمد معصوم اور محمد صادق لاولد ہے۔ البتہ شاہ عبدالسلام کا سلسلہ چلا۔ شاہ عبدالسلام کا قیام اپنے ناہنہال

خانقاہ عزیزیدہلی میں رہا اور وہیں وصال بھی ہوا، مزار بھی منہدیاں میں ہے ^۸
 شاہ عبدالسلام کے ایک صاحب زادے شاہ محمد زکریا تھے، جن کی شادی
 مولانا نواب قطب الدین خاں دہلوی کی بہن بادشاہ بیگم سے ہوئی تھی، شاہ زکریا
 کے اخلاف کا شجرہ:

شاہ محمد زکریا



خاندانی قلمی شجرے میں شاہ محمد عاشق کے ایک تیسرے فرزند
 ثناء اللہ شہداء اللہ کا نام بھی ہے اور ان کے بیٹے، پوتی اور پڑپوتی کے نام
 علی الترتیب عثمان، امتہ اللہ اور رقیۃ درج ہیں۔

شاہ ولی اللہ نے اپنے پیش نظر عظیم مقاصد کی خاطر بڑی منصوبہ
 تلامذہ و مریدین بندی کی تھی، انہوں نے ابتداءً درس پر توجہ دی اور محنت
 کر کے مختلف فنون کے متخصص علماء ایک ایسی جماعت پیدا کر دی جو ان کی اعانت
 اور نیابت کر سکے۔ اور اس کے بعد تدوین کے فرالغ اس جماعت کے سپرد کر کے

علہ واقعات دارالحکومت دہلی حصہ دوم از بشیر الدین احمد اگرہ ۱۹۱۹ء ص ۵۹

خود فکر و تحقیق اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔

شاہ محمد عاشق اس جماعت کی جان اور گروہ کے سب سے ممتاز فرد تھے، جو نہ صرف شاہ ولی اللہ کی بہترین تربیتی صلاحیتوں سے متمتع ہوئے بلکہ اساتذہ وقت سے استفادہ میں ان کے رفیق بھی رہے تھے، چنانچہ وہ پھلت اور دہلی میں درس و افادہ کے فرائض انجام دیتے رہتے تھے۔ ان کے سب سے ممتاز شاگرد تو شاہ ولی اللہ کے پانچوں فرزند گرامی ہی تھے، سب سے بڑے صاحب زادے شیخ محمد جو اپنی نانہال ہی میں سکونت پذیر تھے، یقیناً شاہ محمد عاشق کے زیرِ درس و تربیت رہے ہوں گے اور شاہ ولی اللہ کو سب سے زیادہ اعتماد اسی بات پر ہوگا کہ پھلت میں شیخ محمد کے حقیقی ساموں شاہ محمد عاشق ہیں۔ پھر جب ۵۴ سال کی عمر میں ان کے یہاں شاہ عبدالعزیز پیدا ہوئے تو ظاہر ہے کہ ان کی تعلیم کے ابتدائی مراحل بھی شاہ محمد عاشق ہی نے طے کرائے ہوں گے، متوسطات کی تعلیم شاہ ولی اللہ نے ہی دی لیکن تعلیم کی تکمیل سے قبل ہی جب باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو فاتحہ فراع انھوں نے شاہ محمد عاشق سے ہی پڑھا اور اجازت بھی انہی سے لی۔ شاہ رفیع الدین نے جو والد کی وفات کے وقت ۱۳ سال کے تھے، اور میبذی پڑھتے تھے اور شاہ عبدالقادر نو سال کے اور صرف میر پڑھتے تھے، شاہ عبدالغنی جو ۵ سال کے تھے اور قرآن کریم حفظ کرتے تھے شاہ محمد عاشق سے درسیات پڑھیں۔ شاہ خود ان کے فرزند ان گرامی نے ان سے پڑھا ہوگا، پھلت کے کسی گم نام علماء ان سے تلمذ کی نسبت رکھتے ہوں گے۔

شاہ ولی اللہ نے اپنے خلفائے میں سے ایک نہایت متین اور قابل شخص کے ہاتھ میں آپ کی خدمت تعلیم پیر کی جس نے نہایت قابلیت اور دل سوزی سے اس خدمت کو ادا کیا اور بڑی جاں کاہی سے تعلیم دی تقریباً دو سال کے عرصے میں آپ نے عربی کے مختلف فنون میں بلا کی حیرت انگیز ترقی کی..... ان علوم سے فارغ ہونے کے بعد آپ والد بزرگوار شاہ ولی اللہ کی درسگاہ میں جانے لگے ۳۳۱ حیات ولی علیہ عجلاً نافعہ (معہ فوائد جامعہ از مولانا عبدالحکیم چشتی کراچی ۱۹۶۳ء) ص ۱۸۱ و مقالات طریقت ص ۱۸۔

عہ مقالات طریقت عبدالرحیم ضیا حیدر آباد دکن تالیف ۱۲۹۱ھ طبع ۱۲۹۱ھ ص ۲۸۔

ان حضرات کے ساتھ قاعدے کے مطابق طلبہ کی ایک جماعت ہوتی ہوگی اگرچہ

ان میں سے کسی کے نام کا علم نہ ہو سکا۔

ان کے مشغلہ درس کا ایک اور ثبوت شاہ عبدالعزیز کا یہ بیان ہے کہ وہ ایک روز

شاگردے را بہماں وقت می خوانید

و نسبت در عین اشتغال ملاحظہ

کردم در غایت جوشش بود۔

مشغولیت کے دوران بھی نسبت

پوری طرح جوش میں تھی۔

تدریس کے ساتھ ساتھ وہ ارشاد و تزکیہ باطن کے فرائض بھی انجام دیتے ہوں

گے، وہ شاہ ولی اللہ کے اجل خلفا تھے۔ خود شاہ صاحب کی حیات میں اپنے

نواح کے طالبان تربیت کی طرف توجہ فرماتے ہوں گے، پھر ان کے فضل و کمال

اور زہد و تقوا کا شہرہ دور دور پہنچا ہوگا۔ اس لیے دور دور سے احتیاج مندان

کی طرف رجوع کرتے ہوں گے اور شاہ ولی اللہ کے وصال کے بعد خصوصاً شاہ

عبدالعزیز کی نوعمری تک شاہ صاحب کے متوسلین بھی انہی کی طرف رجوع کرنے

لگے ہوں گے۔ چنانچہ تکیہ رلے بریلی کے میر ابو سعید نے انہی سے اجازت و خلافت

حاصل کی تھی، ہم کسی جگہ شاہ عاشق صاحب کی وہ تحریر نقل کریں گے جو انہوں

نے میر ابو سعید کو بطور اجازہ لکھ کر دی تھی، اسی طرح خود شاہ ولی اللہ کے

صاحب زادے شاہ رفیع الدین کے متعلق عبدالرحیم ضیاء نے لکھا ہے کہ انہوں

نے شاہ محمد عاشق سے بیعت کی تھی۔ ماں شاہ عبدالقادر شاہ عبدالعدل دہلوی

سے بیعت تھے۔ البتہ شاہ عبدالغنی ممکن ہے نہ ہوئے ہوں اس لیے کہ ان کے

بلوغ تک شاہ عبدالعزیز بھی عمر کی اس منزل میں آگئے تھے کہ ان سے بھی رجوع

کیا جاسکتا تھا۔

تصانیف

قول جلی | شاہ محمد عاشق کی تالیفات میں سرفہرست ان کی حیات شاہ ولی اللہ

ہے جو نہ صرف اس لحاظ سے اہم ہے کہ وہ بر عظیم کی ایک عظیم شخصیت کی سوانح ہے۔ اور اس موضوع پر اولین مآخذ ہے بلکہ اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ یہ کتاب اس فرد کی تالیف ہے جو شاہ صاحب کے کمالات و فضائل کا وارث اور امین تھا، ان کی زندگی کا ہر دور جس کی نظریں تھا، ان کے اصلاحی و تجدیدی کارناموں پر جس کی نظر سب سے زیادہ وسیع تھی، جو ان کی تجویزوں، آرزوں، حسرتوں اور ان کہی تمناؤں کا راز داں تھا۔ جو ان کی بیشتر تالیفات کا سبب تالیف "تھا۔ اور ان کی اکثر تحریریں کا اولین مخاطب،

کتاب کا نام "قول الجلی و اسرار الخفی" ہے اور یہ خود شاہ صاحب کی حیات میں مرتب کر لی گئی تھی، چنانچہ خود شاہ صاحب نے الجزء اللطیف میں اس کتاب کے مندرجات کی تصویب و تصدیق اس طرح کی ہے۔

والدین و جماعت از صلیا بمشترات
بسیاد حق این فقیر قبل ولادت و بعد
ازاں دیدند چنانچہ بعض اعز اخوان واجلان
خلان تفصیل آن واقعات باوقائع
دیگر و رسالہ مضبوط نمودہ اند و آن
را بہ "قول جلی" مسمیٰ کردہ اند جزاۃ اللہ
خیر الجزاوا حسن الیہ والی اسلافہ و
اعقابہ و ادخلہ الی ما یتمناہ من دینہ
و دنیاہ۔

میرے سلسلے میں والدین اور لئی صلیا
نے میری ولادت سے قبل اور بعد جو بہت
سی بشارتیں پائی تھیں، ایک عزیز بھائی
اور محترم دوست نے ان بشارتوں اور
دوسرے حالات زندگی کو ایک رسالے میں
قلم بند کر دیا ہے اور اس کا نام قول جلی
رکھا ہے، اللہ تعالیٰ انھیں بہتر جزا دے
اور ان کے بزرگوں اور اخلاف کے ساتھ
اچھا معاملہ فرمائے اور ان کی دین و دنیا
کی خواہشوں کو پورا کرے۔

شاہ ولی اللہ کے علوم و سوانح پر اتنی اہم دستاویز عرصہ سے نایاب تھی، نواب
صدیق حسن خاں اور مولوی رحمان علی صاحب تذکرہ علماء ہند کے پیش نظر رہی تھی
اور کسی مورخ نے کبھی اس کے مطالعہ کا ذکر نہیں کیا، اب جناب خلیق احمد نظامی

نے یہ مژدہ سنایا ہے کہ انھوں نے یہ کتاب دریافت کر لی ہے۔ خانقاہ کاکوری میں موجود ہے، نظامی صاحب نے یہ بشارت بھی دی ہے کہ وہ اس کتاب کو شائع بھی فرمائیں گے۔

یہ کتاب ۲۹۷ صفحات پر محیط ہے ہر صفحہ میں ۱۹ سطور اور ہر سطر میں ۲۷ الفاظ ہیں، مخطوطہ ۱۲۳۹ھ/۱۸۲۳ء کا لکھا ہوا ہے۔

نظامی صاحب نے شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات کی اشاعت تازہ ۱۹۶۹ء میں اس کے کافی طویل اور معلومات افزا اقتباسات بھی دیئے ہیں اور یہ بھی انکشاف کیا ہے کہ شاہ محمد عاشق نے شاہ ولی اللہ کی وفات کے بعد اس میں ایک باب کا اضافہ بھی کیا تھا۔

تقریر خیر کثیر | شاہ ولی اللہ کی معروف تصنیف الخیر الکثیر پر شاہ محمد عاشق نے ایک حاشیہ لکھا تھا، جس کے خطبہ میں انھوں نے لکھا ہے کہ یہ کتاب شاہ صاحب نے انھیں پڑھائی تھی اور دوران درس میں جو تفصیل و تشریح حضرت مصنف فرماتے تھے اس کو لکھتا جاتا تھا، بعد میں یہی مجموعہ تقریرات مرتب کر کے کتاب کا حاشیہ قرار دیا، یہ حاشیہ رضا لائبریری رام پور میں ہے صفحات ۸۸

شرح دعاء الاعتصام | شاہ ولی اللہ کی متعدد گم شدہ تالیفات کی طرح ان کی ایک کتاب "دعاء الاعتصام" بھی ہے۔ شاہ عبدالعزیز کا بیان

ہے کہ عہ

"والدِ بزرگ فقیر دعاء موسوم اعتصام تصنیف نمودہ اند بزبانِ عربی۔"
اس کتاب کی شرح شاہ محمد عاشق نے لکھی تھی، افسوس کہ یہ کتاب بھی نایاب ہے، شاہ عبدالعزیز ہی کے ایک قول سے اس کے وجود کا علم اور اس کے مندرجات کا اندازا ہوتا ہے۔ مرزا حسن علی لکھنوی نے شاہ صاحب سے پوچھا اہل سنت کا مذہب تو یہ ہے کہ غیر انبیاء معصوم نہیں ہوتے مگر شاہ ولی اللہ نے تفہیمات

عہ فہرست کتب خانہ رام پور ص ۶۹۹ مرتبہ احمد علی خاں شوق رام پوری۔

عہ فتاویٰ عزیزی ص ۱۸۱ مطبع مجتہائی دہلی ۱۳۱۱ھ۔

الہیہ میں اور آپ نے ایک رسالے میں صفاتِ اربعہ (حکمت، عفت، وجاہت اور قطبیت باطنہ) کا اطلاق ائمہ اثنا عشر پر کیا ہے، اس مخالف کی کیا توجیہ ہے اس کے جواب میں شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ صفات :

نزد صوفیہ معانی اصطلاحیہ دارند
خصوصاً در کتب مصنفہ حضرت والد
ماجد قدس سرہ مفصل مذکور اند
..... و شرح اعتصام از تصانیف
شاہ محمد عاشق پھلتی قدس اللہ سرہ
اگر ہم رسد دانی و کافی ست۔

صوفیہ کے یہاں اصطلاحی معنی رکھتے
ہیں، خاص طور پر والد ماجد قدس سرہ
کی تصانیف میں بتفصیل ان کا ذکر ہے
..... اور شرح اعتصام جو شاہ محمد عاشق
قدس اللہ سرہ کی کتابوں میں سے ہے اگر
مل جائے تو اس موضوع پر دانی و کافی ہے

شاہ صاحب کی اس تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ اصطلاحات صوفیہ کے
معانی و مفہیم پر بھی اس کتاب میں عالمانہ و محققانہ گفتگو کی گئی ہے۔

اس کتاب پر شاہ ولی اللہ نے ایک منظوم تقریظ لکھی تھی، جسے صاحب

نزهت الخواطر نے نقل کیا ہے۔ عہ
لیسک ما اوفیت ذر وۃ حقہ
و بحثک عن طے العلوم و نشرها
و حفظک للزمرا الخفی مکانه
فلله ما اوتیت من حلل المسف

من الفحص و التفتیش و الفہم و الفکر
و نظمک اصناف الجواہر و الابدس
و خصوصک بحر اذا خرا ایما بحر
و لله ما اعطیت من عظم الفخر

سبیل الرشاد | یہ کتاب بھی افسوس ہے کہ نہ ہماری نظر سے گزری اور نہ اس کے
مخطوطات ہی کا علم ہو سکا کہ کہاں کہاں ہیں؟ اس کا تفصیلی
ذکر بھی حسن اتفاق سے شاہ عبدالعزیز نے فرمایا ہے، ایک صاحب نے درود اور
سید الاستغفار کے متعلق دریافت کیا تھا، اس کے جواب میں سید الاستغفار

عہ فتاویٰ عربی ص ۱۸۱ مطبع مجتہبی دہلی ۱۳۱۱ھ۔

عہ نزهت الخواطر الجزء السادس ص ۳۲۹۔ عہ ویسے شیخ حسن ترہینی نے بھی یاغ الجنی میں لکھا ہے کہ سلوک
میں ان کی مشہور کتاب ہے ص ۹۷۔

کے سلسلے میں لکھتے ہیں :

سید الاستغفار کتاب سبیل الرشاد میں
مذکور ہے اور پوری کتاب میں نفیس
جواہر ہیں۔۔۔۔۔ اور یہ کتاب گویا ہمارے
خاندان کے سلوک طریقت کا خلاصہ ہے
خصوصاً سلوک کے جو فوائد میرے والد
نے طالبان طریقت اور مریدوں کو
بتائے تھے اس مجموعہ میں درج ہیں
حضرت شاہ محمد عاشق قدس سرہ نے جو
والد بزرگ وار کے سب سے بڑے
خلیفہ تھے یہ کتاب لکھی ہے، چھ جز
کے قریب ضخامت ہے۔

سید الاستغفار در کتاب سبیل الرشاد
مذکور است و تمام آن جو اہر نفیسہ است
..... و آن کتاب گویا خلاصہ سلوک
طریقہ خاندان ماست خصوصاً فوائد سلوکیہ
از حضرت والا مابسوئے طالبان
و مریدان فیضان نمودہ در آن مجموعہ
مندرج است حضرت شاہ محمد عاشق
قدس سرہ کہ اجل خلفا و حضرت والد
ماجد بودند آن را تالیف فرمودہ
اند بقدر شش جزو باشد۔

پیر مرتضیٰ خاں رام پوری (خلیفہ سید احمد شہید) نے اپنی کتاب دافع الفساد
و نافع العباد کے مقدمہ میں اپنے ماخذ میں سبیل الرشاد کا بھی نام لکھا ہے۔ (ص ۳)
اور تین مقامات پر ایک ہی عبارت کا اردو ترجمہ دیا ہے (ص ۵۹، ص ۶۳، ص ۶۷)
چوں کہ اس کتاب کا کوئی اقتباس یا اس کا ترجمہ بھی ہماری نظر سے نہیں گزرا اس
لیے تبرکاً یہ ترجمہ نقل کرتے ہیں :

« شیخ محمد عاشق پھلتی کہ خلیفہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب
محدث دہلوی کے تھے اپنے رسالہ سبیل الرشاد میں لکھتے ہیں
جو کوئی شخص یا اللہ یا اللہ یا اللہ اپنی زبان سے پڑھے اور ملاحظہ
کرے پڑھنے کے وقت میں کہ ایک نور اس کے مومنہ سے
باہر آتا ہے یعنی پڑھنے والے کے، جب قریب تین لاکھ کے

علہ فتاویٰ عزیز ص ۱۸۲ مطبع مجتہبی دہلی ۱۳۱۱ھ

علہ مطبوعہ مطبع محمدی ٹانک ۱۲۸۳ھ۔

پورا کرے اس شخص کے تئیں ایک مناسبت ساتھ حقیقت
اس اسم کی کہ بیچ عالم ملکوت کی جگہ پکڑنے والی ہے، ظاہر
ہوتی ہے۔“

شیخ محمد محدث تھانوی اپنی کتاب ارشاد محمدی میں درود شریف الہم صل علی
بن منہ الشقت الاسرار کے ورد کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس کا ورد کرنا بہت
فائدہ رکھتا ہے۔ خصوصاً پڑھنا صبح و شام، ادا مرتبہ تین تین بار صبح و شام اور
پچھلے کو، حضرت شاہ محمد عاشق پھلتی علیہ الرحمۃ نے سبیل الرشاد میں لکھا ہے کہ
فقیر کا مجرب ہے۔“

مکتوبات شاہ ولی اللہ

شاہ محمد عاشق کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ انہوں
نے جہاں شاہ صاحب کی دوسری تحریریں محفوظ
کیں وہاں ان کے مکاتیب جو خواہ وہ سیاسی نوعیت کے ہوں خواہ ذاتی یا
علمی محفوظ کرنے کا اہتمام کیا یہ کام انہوں نے شاہ صاحب کی زندگی ہی میں
شروع کر دیا تھا۔ ابتداءً یہ کام ان کے صاحب زادے شاہ عبدالرحمن کے
سپر د تھا جنہوں نے اپنی وفات ۱۱۶۸ھ تک مکاتیب شاہ کی جمع و ترتیب کی
اور ۲۸۱ مکاتیب جمع کر لیے تھے۔ ان کی وفات کے بعد شاہ محمد عاشق نے
یہ کام خود سنبھالا اور مزید، خطوط جمع کر کے ۳۵۸ مکاتیب کا ایک قیمتی
مجموعہ مرتب کر دیا۔ اس مقصد کے لیے آپ نے ممکن ہے کہ شاہ صاحب سے
بھی مکاتیب کی نقول حاصل کی ہوں اور مکتوب الیہم سے بھی، چنانچہ شاہ
ابوسعید رائے بریلوی کے نام ایک خط کا اختتام اس طرح کرتے ہیں۔
دیگر التماس آں کہ خط کہ حضرت
میاں صاحب بابشاں نوشتند
نقل آں برداشتہ بایں فقیر عنایت فرماید
ایک اور گزارش یہ ہے کہ حضرت
میاں صاحب نے جو خط آپ کو لکھا
ہے اس کی نقل کر کے مجھے بھیج دیں اسی

علم مطبوعہ محبوب المطابع میرٹھ ۱۳۰۸ھ -

علم مکتوبات المعارف -

طرح سابقہ خطوط کی نقلیں بھی بھیجیں
اور اس بارے میں غفلت کو ہرگز رول نہ
رکھیں۔

وہمہ چنیں نقل خطوط سابقہ نیز مرحمت
فرمائند دریں باب ہرگز تغافل تجویز
نہ نمایند۔

شاہ ابوسعید اس فرمایش کے جواب میں کچھ عرصہ بعد شاہ ولی اللہ کے
مکاتیب لے کر پھلت پہنچے اس وقت شاہ ولی اللہ کا وصال ہو چکا تھا اور شاہ
محمد عاشق دہلی آئے ہوئے تھے شاہ ابوسعید نے انہیں اپنے پھلت پہنچنے
کی اور مکاتیب ساتھ لانے کی اطلاع دہلی بھیجی تو اس کے جواب میں کس مسرت
و ممنونیت کے ساتھ لکھتے ہیں :

اور اس خوش خبری سے کہ آپ اپنے
ساتھ میرے قبلہ رضی اللہ عنہ کے مکاتیب
بھی لیتے آئے ہیں، بڑی ہی خوشی ہوئی
اس عنایت کا شکریہ کس زبان سے ادا
کیا جائے جو بے حساب ہے اور کیا
لکھوں آپ اطمینان سے پھلت میں
تشریف رکھیں میں بہت جلد پہنچ رہا
ہوں۔

وازمردہ آل کہ مکاتیب فیض
اسالیب حضرت قبلہ ام رضی اللہ عنہ
ہمراہ شریف آوردہ اند بغایت
شادی روداد شکر این عنایت بکدام
زباں نمودہ آید کہ از احصاء خارج
ست، زیادہ بجز التماس این کہ بخاطر
جمع درآں جا تشریف دارند این فقیر
زود می رسد

یہ مجموعہ مکاتیب مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری کے کتب خانے میں ہے۔ ہمنوز
غیر مطبوعہ ہے اس میں سے سیاسی نوعیت کے ۳۴ مکاتیب جناب خلیق احمد
نظامی نے "شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات" کے نام سے شائع کر دیے
ہیں، خدا کرے بقیہ مکاتیب بھی جلد شائع ہو جائیں، جناب نظامی نے اپنی
کتاب کے مقدمہ میں اور غیر سیاسی مکاتیب کے جو اقتباسات دیے ہیں
ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ کی حیات کے سلسلے میں بھی یہ خطوط
بڑے معلومات افزا ہیں۔

متفرق تحریریں

مقدمہ خیر کثیر | شاہ ولی اللہ کی معروف کتاب الخیر الکثیر کا جو مخطوطہ ہمارے کتب خانے (برکات اکادمی کراچی) میں ہے اس کے آغاز میں شاہ محمد عاشق کا ایک مقدمہ ہے جو مختلف اعتبارات سے بہت اہم ہے۔

اولاً شاہ محمد عاشق کی تحریریں ہی نایاب ہیں ان کی کئی کتابوں میں سے کوئی ایک کتاب بھی نہ صرف یہ کہ مطبوعہ نہیں ہے بلکہ ان کے مخطوطات بھی کم یاب ہیں۔ اس لیے یہ تحریر ہمارے لیے تبرک کی حیثیت رکھتی ہے۔

ثانیاً اس تحریر سے شاہ ولی اللہ کی ذات سے ان کی شیفتگی اور ادبیات شاہ سے ان کے شغف کا اندازہ ہوتا ہے۔

ثالثاً شاہ صاحب کی بعض تالیفات کے عہد تالیف کا تعین ہوتا ہے رابعاً اس تحریر سے یہ انکشاف بھی ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے تحریری کارناموں کے سرانجام پانے میں شاہ محمد عاشق کا کتنا ہاتھ تھا اور ان کا تعاون شاہ صاحب کو حاصل نہ ہوتا تو ادبیات شاہ اس شکل میں شاید ہمارے سامنے نہ ہوتے۔

ذیل میں متن کو طوالت کے خوف سے حذف کر کے اس کا آزاد ترجمہ اور خلاصہ پیش کرتے ہیں :

حمد و نعت کے بعد اللہ تعالیٰ جب کسی فرد کا دل کو اپنے علوم و اسرار کی منظریت کے لیے منتخب فرماتا ہے تو اس فرد سے ان علوم و اسرار کا ظہور علوم رسمیہ کسبیبہ کے طرز پر نہیں ہوتا بلکہ وہ علوم حسب واردات و تقریبات بروز کرتے ہیں۔ کبھی مخاطبت کے اسلوب میں کبھی عربی میں کبھی فارسی میں کبھی رمز و اشارت میں کبھی بسط و تفصیل کے ساتھ، کبھی ایک اصطلاح میں

کبھی دوسری اصطلاح میں ، ایک ہی مطلب و معنی کی ایک ہی روپ میں تکرار ہوتی ہے ، کبھی روپ بدل دیا جاتا ہے ، اس لیے ان علوم و اسرار سے استفادہ اور استفاضہ کے آداب یہ ہیں کہ جن اوصناع و اسالیب میں ان کا صدور و ظہور ہوا ہے ، ان نفعات الہیہ اور واردات غیبیہ سے تعرض اس وضع و شکل میں کیا جائے اور بغیر کسی تقریف کے ان کی حفاظت کی جائے ، اس دور میں اہل مقام (کاملت) پر فائز شیخ ولی اللہ کی ذات والا ہے ، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو زکی " اور "حکیم ہذہ الامت" خطاب مرحمت فرمایا اور آپ کے علوم و اسرار درحقیقت اہل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم و اسرار ہیں اور ان کی محافظت ، ارشاد گرامی نصر اللہ امرأ سمع مقالتي فوعاها ختم اداها كما سمعها کی بشارت میں شمول کا باعث ہے ، اس کمترین خاک بوسان آستانہ ولیہ احمدیہ فقیر محمد عاشق ملقب بہ علی ابن شیخ عبید اللہ بارہوی پھلتی پر اللہ تعالیٰ کے انعامات و الطاف میں سے ایک یہ ہے جسے صرف تحدیث نعت کے لیے لکھتا ہوں بد شعور سے میرے دل میں شاہ صاحب کی عقیدت راسخ کر دی گئی اور ظہور اسرار کے آغاز سے مجھے تخصیص خطاب کا شرف عنایت ہوا چنانچہ حصوری میں مکالمہ کے اور دوری میں مراسلہ کے وسیلہ سے خطاب سے مشرف ہوتا رہا یہاں تک کہ اگر میں اس بات کی قسم کھا لوں تو انشاء اللہ عاشق نہیں ہوں گا کہ آپ کے جس قدر علوم و اسرار کا خصوصاً تصوف کے باب میں ظہور ہوا ہے وہ میرے لیے ہوا ہے اور مجھ سے خطاب و گفتگو میں ہوا ہے ان میں سے اکثر معارف ایسے ہیں جن میں اس خاکسار کا کوئی سہیم و شریک نہیں ہے اور کسی تحریر کا مخاطب اگرچہ بظاہر دوسرا بھی ہے مگر جیسا کہ آپ ہی کا عربی شعر ہے -

واقی وان خلطت الف مخاطب میرا رو سخن چاہے ایک ہزار کی طرف
فانت الذی اعنی وانت المخاطب ہو مگر اصل مقصود و مخاطب تم ہی ہوتے

ہو۔

اس تخصیص سعادت کے پیش نظر مجھے ان کلمات کی توفیق ہوئی ، چنانچہ یہ

اگر کتب و رسائل کے مسودات کی شکل میں تھے تو انہیں مبعض کیا۔
رقعات و مکاتیب کی شکل میں اور متفرق و منتشر تھے تو انہیں حدوں کیا اور
مستقل رسائل کی شکل دی۔

تقاریر مجالس کو قلمبند اور شیرازہ بند کیا۔

افاضات باطنی جو بے قید تحریر و خطاب میرے آئینہ قلب پر منعکس ہوئے
تھے انہیں عربی یا فارسی میں قلم بند کر کے تصویب کے بعد مدون و ضبط کیا
مختصر یہ کہ الحمد للہ ایک کلمہ بھی حتی المقدور ضائع نہیں ہونے دیا یہاں تک
کہ آپ ہی نہیں آپ کے بعض اصحاب کے احوال و اقوال بھی جتنے ہو سکے جمع
کر لیے اور اس مہم میں ایک عمر صرف کر دی اور بحمد اللہ اس جمع پور تالیف میں
قضائے شوق کے سوا اور کچھ منظور نہ تھا۔

اب ۱۱۶۱ھ میں یہ ارادہ کیا ہے کہ تصوف پر ان تمام رسالوں کو ایک جلد
میں جمع کر کے ایک کلیات مرتب کر دوں۔

اس عزم کی تکمیل سے قبل مندرجہ بالا سطور جب اُن محترم کی نظر سے
گزریں تو غایت الشراح و انبساط خاطر کے عالم میں، بڑے اہتزاز کے ساتھ
بندہ نوازی فرمائی اور حسب ذیل کلمات تحریر فرما کر مجھے اعزاز و امتیاز کاشرف
بخشا۔

منکم بدء الاصر و ثنا و هذا
اصراً منکم بدءہ و الیکم یعود و نیک
کلمة باکنتم احق بہا و اھلہا و حق التبا
المعبود۔

تمہیں سے آغاز و انجام ہے، اس کام
کی ابتدا بھی تم نے کی ہے اور انتہا
بھی تم پر ہوگی، ان کے تم ہی سب
سے سوا مستحق اور اہل ہو، بخدا،

خدا یا تو ہی جانتا ہے کہ میں اس بے انداز نعمت کے شکرانے کی استطاعت
نہیں رکھتا۔

پھر میں نے طے کیا ہے کہ میں اس کلیات میں تقریباً بیس رسائل جمع
کر دوں اور ان کی ابتدا الخیر الکثیر سے کرتا ہوں کہ اسی کی مستحق ہے۔

مکتوبات المعارف میں شاہ محمد عاشق کے چھ مکتوب ہیں، ان میں

مکتوب سے پہلا مکتوب یہاں نقل کیا جاتا ہے :

سیادت و نقابت مرتبت خلاصہ مرد و ماں، حقائق و معارف آگاہ فضائل
دست گاہ میر ابو سعید جو سلمۃ اللہ تعالیٰ بعد از سلام اشواق التیام از فقیر محمد
عاشق مشہود ضمیر معارف تخریب باد کہ الحمد للہ علی العافیۃ و سئل اللہ تعالیٰ ان ینیم
لنا و لکم ایابا اشفاق نامہ کہ بمیاں شاہ نور اللہ جو و فقیر ارقام فرمودہ بودند ورود
تو و نمود الحال کہ فقیر بجهت تحصیل شرف ملاقات ملازمت حضرت قبلہ کوین مد
اللہ ظہم العالی رسید عرضی ایشاں را کہ بجناب حضرت ارسال داشته بودند مطالعہ
نمودد مواجید خاصہ کہ بفضل الہی نصیب ایشاں شدہ ملاحظہ کردہ و ایں معنی
موجب نہایت خوشی و شادی گردید و حمد الہی و شکروے تعالیٰ بجا آورد اللہم
زد فرزندم زد، ان شاء اللہ تعالیٰ بعد وصول وطن نیاز نامہ بخدمت خواہد نوشتا
امید کہ بدعائے خیر یا و دارند زیادہ چہ التماس نماید، والسلام میاں محمد عتیق
جو سلام مطالعہ نمایند از محمد فائق سلام مطالعہ باد۔“

المصنفی پر | شاہ ولی اللہ نے موطا، امام مالک کی ایک شرح عربی میں المسوی
کے نام سے لکھی تھی اور اس کے بعد المصنفی فی احادیث الموطا کے

نام سے فارسی میں ایک اور شرح لکھی تھی، یہ شاہ صاحب کی زندگی میں مبین
نہیں ہو سکی تھی، یہ کام شاہ محمد عاشق کی نگرانی میں انجام کو پہنچا، چنانچہ شاہ محمد
عاشق نے اس کی روداد قلمبند کی جو المصنفی کے آخر میں درج ہے۔

اما بعد فقیر محمد عاشق بر ضمیر صفا پزیر طالبان صادق واضح می گرداند کہ چوں
ایں کتاب مصنفی شرح موطا امام مالک از قلم فیض رقم حجۃ اللہ حضرت شاہ ولی اللہ
رضی اللہ عنہ وارضاه بہ تسوید رسید بسبب اشتغال باشتغال دیگر توجہ بترتیب
و تہذیب آن مسودات مبذول نشد و مدتے غیر مرتب ماند ہرچہ گوشہ، خاطر
مبارک بآں طرف ہمیشہ مصروف بود لیکن صورت کمی گرفت تا آن کہ روح پر

علی مطبع نادر قی علی ۱۲۹۳ھ، ہم نے یہ عبارت الرحیم فروری ۱۹۶۶ء سے نقل کی ہے، مقالہ مولا نا غلام مصطفیٰ قاسمی جیلانہ
سندھ۔

فتوح ایشاں بملا، اعلیٰ پرواز فرمود و چوں ایں واقعہ رونمود کسے را از
 عقیدت منداں ہوش نماںد کہ بتفحص آن اوراق پرواز و تا بعد مدت پنج
 یا شش ماہ صلحے حضرت ایشاں را در خواب دید کہ گویا می فرمایند بہ
 ترجمہ موطا شوق بسیار دارم و اظہار شغف بآن می فرمایند آن عزیز نزد
 کاتب حروف آن بشہری نمود از ہماں وقت شغفے معلق بہ ترتیب و تبیین
 آن مسودات بخاطر افتاد و نزد حافظ کلام رب العالمین خواجہ محمد امین
 ولی اللہی کہ تلمیذ خاص و محرم باختصاص جناب حضرت ایشاں بود شغفہ
 خود را اظہار نمودم ایشاں مسودات را بیرون آوردہ کتاب مسوی
 پیش رو، نہادہ ترتیب و تبیین گرفتند و مدتے جہد بلیغ نمودہ تا حسن
 انتظام یافت و ثامن عشر شوال یوم الاحد عند اربعۃ النهار ۱۱، ۹
 تسع و سبعین بعد الالف والمباہ مرتب و مہذب گردید، الحمد للہ علی
 ذالک حمداً کثیراً ۛ

شاہ ولی اللہ کے فرزند گرامی

شاہ محمد دہلوی

شاہ ولی اللہ دہلوی کے ایک گم نام فرزند

شاہ ولی اللہ دہلوی کے فرزند گرامی کی تعداد عموماً چار بتائی جاتی ہے، حال آنکہ یہ تعداد چار نہیں پانچ ہے، ان میں سب سے بڑے شاہ محمد دہلوی تھے جو باقی چار بھائیوں سے مختلف البطن تھے اور ان کا ذکر شاہ عبدالعزیز دہلوی، نیز شاہ محمد عاشق پھلتی، شاہ ابوسعید رائے بریلوی (مرید شاہ ولی اللہ) اور میر سید محمد نعمان چشتی (مرید شاہ ولی اللہ) کے متعدد مکاتیب میں ہے۔ جن سے زیادہ کوئی مقبرہ مستند شاہد ان کے وجود کا نہیں ہو سکتا۔ پھر گزشتہ صدی کے کئی معتبر مؤرخین نے صراحت و وضاحت کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے، مثلاً مولوی محسن بن سحی الترمذی (الیانح الجنی تالیف ۱۲۸۰ھ) میں لکھتے ہیں۔ ۱۷

وَكَانَ لِعَبْدِ الْعَزِيزِ أَخٍ اَقْدَمَ مِنْهُ	شاہ عبدالعزیز کے ایک بھائی (اور بھی)
سَمَّا اسْمَهُ مُحَمَّدًا وَكَانَ اخًا لِابِيهِ	تھے جو ان سے عمر میں بہت بڑے تھے
اَخَذَ عَنْ اَبِيهِ وَهُوَ اَيْضًا قَدِيمٌ	ان کا نام محمد تھا وہ شاہ عبدالعزیز کے

۱۷ ملاحظہ ہو مکتوب المعارف، (مطبع الوار العلوم سہارنپور) ۱۷ ص ۱۷ بر حاشیہ کشف الاستار۔

اخیا بنی بھائی تھے، انھوں نے اپنے والد
(شاہ ولی اللہ) سے تعلیم حاصل کی تھی اور
ان کی وفات بھی شاہ عبدالعزیز سے بہت
پہلے ہوئی تھی، ان پر خدا کی رحمت ہو۔

عبدالرحیم ضیاء نے مقالات طریقت (تالیف ۱۲۹۰ھ) میں شاہ عبدالعزیز کے
متوسل نصر اللہ خاں خویشگی خورجوی کی روایت سے ان کا حال لکھا ہے:۔
”حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ نے اپنے ماموں کی دختر
سے نکاح کیا تھا، ان سے مولوی محمد صاحب پیدا ہوئے، آپ بڑے
ولی کامل تھے، آپ پر جذب غالب تھا، مولوی نصر اللہ خاں خورجوی
کہتے ہیں کہ ایک وقت مولوی محمد صاحب پرانی دہلی میں چلے جاتے تھے
ایک مجذوب برہنہ پر نظر پڑی، آپ ان کو بے ستر دیکھ کر چپیں بھینچے
اس مجذوب نے کہا آج میرا جی کسی بڑے مولوی پر سوار ہونا چاہتا ہے
آپ نے کہا میرا جی کسی بڑے فقیر کا گوشت کھانا چاہتا ہے۔ مجذوب
نے کہا اے مولوی کیا کہتا ہے! آدمی کا گوشت درست نہیں چہ جائے
کسی فقیر کا۔ آپ نے کہا اے فقیر! یہ کیا کہتا ہے، آدمی پر سوار ہونا
کب درست ہے؟ فقیر نے کہا میری مراد سوار ہونے سے اس کو فیض
دیتا ہے، مولوی صاحب نے کہا میرا مطلب گوشت کھانے سے فیض لینا
ہے، مجذوب نے کہا بسم اللہ آئے۔ آپ نزدیک گئے، یہ شعر اس مجذوب
نے آپ کو سنایا۔

کارے نسا ختم و دمیدن گرفت صبح

ادجی چسراغ خانہ بافسانہ سو ختم

اس وقت آپ کو جذب ہوا انتہا تک رہا۔

شاہ رفیع الدین دہلوی کے لولہ سے مولوی معز الدین دہلوی کے پوتے مولوی ہلال الدین

سید احمد ولی اللہی ۱۳۱۲ھ میں لکھتے ہیں یہ

”شاہ ولی اللہ صاحب کا پہلا عقد شیخ عبید اللہ صاحب پھلتی کی صاحبزادی
شیخ محمد عاشق پھلتی کی بہن کے ساتھ ۱۴ سال کی عمر میں ہوا تھا۔“

شاہ صاحب کی ان پہلی اہلیہ کا نام فاطمہ تھائی مولوی سید احمد کا بیان ہے
کہ ”ان (فاطمہ) سے ایک صاحب زادے ہوئے شیخ محمد صاحب۔“

مولوی سید عبدالحی کا بیان ہے کہ

(وقرأ) شمائل ترمذی سماع علیہ
بقراءة اخیه الشیخ محمد
شاہ عبدالعزیز نے اپنے والد سے
شمائل ترمذی اپنے بھائی شیخ محمد کی قرأت
سے پڑھی تھی۔

ان معتبر روایات اور مستند بیانات کی روشنی میں شاہ محمد کے وجود میں کسی شک
اور احتمال کی گنجائش باقی نہیں رہتی، شاہ محمد ہی کی وجہ سے بعض مقامات پر شاہ ولی اللہ
کی کنیت ”ابو محمد“ بھی نظر سے گزری ہے، چنانچہ الارشاد الیٰ ہمات الاسناد (مطبع
احمدی دہلی) کے سرورق پر شاہ ولی اللہ کی کنیت ابو محمد درج ہے۔ صفحہ ۲ پر ”ابو محمد“
پر حاشیہ ہے جس میں ہے:-

ولد ولد قبل مولینا
عبدالعزیز مستی بختند
شاہ عبدالعزیز سے پہلے (بڑے) آپ
کے ایک اور صاحب زادے محمد تھے،
اس لیے کنیت ابو محمد ہے۔
فکنی بابی محمد۔

شاہ محمد کی ولادت دہلی میں ہوئی اور ممکن ہے آپ کی خاندانی روایت کے مطابق
اپنے نانہال پھلت میں ہوئی ہو۔ کیوں کہ شاہ ولی اللہ، شاہ اہل اللہ وغیرہ کی ولادت
بھی پھلت میں ہوئی تھی۔ سن ولادت کی کہیں صراحت نظر سے نہیں گزری، انہیں

۱۷ ص ۵ تاویل الاحادیث، مطبوعہ مطبع احمدی دہلی ۱۳۱۲ھ۔ ۱۷۷ ارباب پھلت و اخلاف شاہ محمد عاشق کے خاندانی
تعلیمی شجرے سے۔ ۱۷۷ دہلی اور اس کے اطراف ص ۶۸ مولوی سید عبدالحی، طبع دہلی۔

۱۷۷ نزہتہ الخواطر الجزء السابع ص ۲۳۸ طبع دکن، مگر ہمیں خود شاہ عبدالعزیز کا ایسا کوئی بیان نہیں ملا، معلوم نہیں
مولوی عبدالحی نے کہاں سے یہ روایت نقل کی ہے؟

شاہ عبدالعزیز سے "اقدام سنا" (عمر میں بہت بڑا) لکھا ہے، شاہ عبدالعزیز کی ولادت شاہ ولی اللہ کی دوسری شادی، ۱۱۵۵ھ کے دو سال بعد ۱۱۵۹ھ میں ہوئی تھی اس لیے ہو سکتا ہے کہ شاہ محمد اپنے والد کی پہلی شادی ۱۲۲۸ھ کے دو چار سال بعد ۳۰-۱۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے ہوں، تعلیم کے متعلق صراحت تو صرف شاہ ولی اللہ کے نام کی ہے، مگر آپ کے حقیقی ماموں شاہ محمد عاشق کا بھی آپ کی تعلیم و تربیت میں ضرور حصہ ہوگا۔

قیام زیادہ تر دہلی ہی میں رہا۔ شاہ ولی اللہ کے وصال کے وقت تک آپ دہلی ہی میں تھے۔ شاہ صاحب کے وصال کے بعد کچھ عرصہ آپ لکھنؤ بھی چلے گئے تھے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب اخون زادہ عبدالرحمن کے نام اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

برادر صاحب بزرگ شاہ محمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ دریلدہ لکھنؤ چھاؤنی نواب افضل خاں صاحب فی باشند بخیریت اند اکثر خطوط ایساں می آیند خاطر جمع دارند۔

بڑے بھائی صاحب شاہ محمد صاحب لکھنؤ میں نواب افضل خاں کی چھاؤنی میں رہتے ہیں بخیر ہیں اکثر ان کے خطوط آتے رہتے ہیں، مطمئن رہیں۔

اسی مکتوب الیہ کے نام اپنے ایک دوسرے مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں

برادر صاحب کلاں حضرت شاہ محمد صاحب ہنوز در لکھنؤ توقف دارند خطوط ایساں اکثر می آیند و خیریت ایساں دریافت می شود بالفعل از چند ماہ ہمراہ نواب افضل خاں برادر نواب نجیب الدولہ مرحوم می باشند و نواب افضل خاں

بڑے بھائی حضرت شاہ محمد صاحب ابھی تک لکھنؤ میں قیام فرما ہیں، ان کے خطوط اکثر آتے رہتے ہیں اور خیر و عافیت معلوم ہوتی رہتی ہے آج کل چند مہینے سے نواب افضل خاں برادر نواب نجیب الدولہ مرحوم کے ساتھ

۱۔ مکتوب المعارف (مکتوب میں محمد نعمان حسنی بنام شاہ ابوسعید رائے بریلوی)
۲۔ فضائل صحابہ ص ۲۳۳ طبع لاہور۔ ۳۔ فضائل صحابہ ص ۲۶۳ طبع لاہور۔

رہتے ہیں اور نواب افضل خاں خدمت
بھی کرتے ہیں۔

خدمت ہم می کنند۔“

اس خط میں نواب نجیب الدولہ کو مرحوم لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ
یہ خط ۱۱۸۲ھ (وفات نواب) کے بعد کا ہے اور چوں کہ اس میں مکتوب الیہ کو شاہ
عبدالغنی کا سلام بھی لکھا ہے اس لیے ۱۷۸۸ء/۱۲۰۲ھ (وفات شاہ عبدالغنی) سے
قبل کا ہے۔ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ شاہ محمد صاحب ۱۷۷۰ء سے ۱۷۸۸ء کے
درمیانی عرصے میں کم سے کم چند ماہ کے لیے لکھنؤ میں بھی رہے تھے۔

آخر میں آپ پھلت اور بڈھانہ منتقل ہو گئے تھے جو آپ کا ناہماں بھی تھا
اور جس کے قریب ہی آپ کی خاندانی جاگیر بھی تھی۔
آپ متاہل بھی ہوئے تھے، دو صاحب زادے بھی تھے مگر غالباً ان
سے نسل نہیں چلی۔

وفات ۱۲۰۸ھ/۱۷۹۴ء کو بڈھانہ میں ہوئی، آپ کا اور آپ کے دونوں فرزند
کے مزار بڈھانہ کی جامع مسجد سے متصل ہیں۔

شاہ عبدالعزیز

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی پہلی شادی شاہ عبید اللہ پھلتی کی صاحبزادی
اور شاہ محمد عاشق کی بہن سے ۱۱۲۸ھ/۱۷۱۶ء میں ہوئی تھی، ان سے شاہ محمد پیدا
ہوئے جو آپ کے سب سے بڑے صاحب زادے تھے۔
شاہ محمد کی والدہ کے وصال کے بعد، شاہ صاحب نے ۳۳ سال کی عمر

۱۔ نزہۃ الخواطر الجزء السابع ص ۴۲۲ مقالات طریقت ص ۱۔ شاہ محمد دہلوی پر ہم نے ایک مقالہ پاکستان
ہسٹوریکل سوسائٹی کے اجلاس منعقدہ کراچی ۱۹۶۵ء میں پڑھا تھا جو ماہ نامہ فاران کراچی ۱۹۶۴ء
میں شایع ہوا اور فاران سے برصغیر کے ایک درجن سے زیادہ علمی و دینی مجلات نے نقل کیا اور اب شاہ
ولی اللہ چار کے بجائے پانچ فرزند تسلیم کر لیے گئے ہیں۔

میں سیدہ ارادت بنت سید شہداء اللہ سونی پت سے ۱۱۵۷ھ / ۱۷۶۶ء میں دوسرا عقد کیا جن کے بطن سے چار صاحب زادے اور ایک صاحب زادی تولد ہوئیں، ان صاحب زادوں میں سب سے بڑے شاہ عبدالعزیز تھے۔

شاہ صاحب کی ولادت ۱۱۵۹ھ / ۱۷۶۸ء میں ہوئی جب کہ شاہ ولی اللہ کی عمر ۴۵ سال ہو گئی تھی، خود شاہ عبدالعزیز کا بیان ہے کہ ان کا عرف "مسیتا" تھا اور "وجہ اقریب" یہ فرمائی تھی کہ مجھ سے پہلے (اور شاہ محمد کے بعد) میرے والدین کے بہت سے بچے اللہ کو پیارے ہو چکے تھے اس لیے والدین اور اعزہ کو اولاد کی بڑی آرزو تھی، چنانچہ میری ولادت کے وقت بہت سے بزرگ اور اولیاء مسجد میں معتکف تھے جب میں پیدا ہوا تو غسل کے بعد مجھے مسجد کے محراب میں ڈال دیا گیا گویا خدا کی نذر کر دیا گیا، پھر ان معتکف بزرگوں نے مجھے محراب سے اٹھا کر اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے والدین کو بخش دیا۔ "تعلیم و تربیت والد ماجد کی نگرانی میں ہوئی، والد ماجدان کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے یہ چچا شاہ اہل اللہ بھی تربیت میں حصہ لیتے تھے، مریضوں کو دیکھنے گھر سے باہر جاتے تو ان کو ساتھ لے لیتے۔"

اس طرح تعلیم میں مصروف تھے کہ عمر کے سترھویں سال میں والد وفات پا گئے اس لیے تعلیم کی تکمیل خواجہ محمد امین، شاہ محمد عاشق اور شیخ نور اللہ بڈھانوی سے کی۔

حصولِ تعلیم سے فراغت کے بعد والد کی مسندِ درس و ارشاد و افتا کو زینت دی۔ اور تقریباً ساٹھ سال اپنے زبان و قلم سے دین و طالبانِ علوم دین کی خدمت کرتے رہے۔

روزانہ صبح قریب طلوع آفتاب ایک رکوع قرآن شریف سنا کرتے تھے، اس

علہ سید احمد دہلوی نے سید حامد لکھا ہے۔ تاویل ص ۸۷۔ ۸۸۔ ملفوظات عزیزی ص ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ملفوظات ص ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔

کے قاری شاہ اسحق ہوتے تھے۔ جمعہ اور منگل کو قرآن شریف کا درس بطور وعظ کرتے تھے۔ اس میں ہزاروں آدمی ہوتے تھے۔ یہ کسی خاص طریقے میں عام طور پر بیعت نہ فرماتے تھے، اپنے اعزہ خصوصاً شاہ مخصوص اللہ، شاہ اسماعیل، شاہ یعقوب اور شاہ اسحق کو قادر یہ میں بیعت کیا، امراء و سلاطین کو چشتیہ میں اور دوسروں کو نقشبندیہ میں بیعت کرتے تھے۔

”جو طلبہ و علماء تیمناً و تبرکاً حصول اجازت کے لیے آتے تھے پہل قدمی کے وقت ان سے احادیث سنتے تھے، کچھ بیان بھی کرتے تھے، اس قسم کے شاگرد بے شمار ہیں۔“

وفات آپ بہت قلیل القذا کثیر الامراض تھے، وفات سے کچھ پہلے غذا بالکل ترک کی مرض کی شدت تھی، وعظ کا دن آیا تو فرمایا مجھے پکڑے رہو بیان شروع کر دوں تو چھوڑ دینا ایسا ہی کیا گیا وعظ فرمانے لگے، آیہ شریفہ ”ذوی القربی والیتی والمساکین وابن السبیل“ کا بیان کیا، اس کے مطابق نقد اسباب سب تقسیم کر دیا من بعد قرب ایک لاکھ روپے کے نقد اور دوسرا اسباب بیش قیمت جو رہا تھا اس میں سے چند ہزار روپے زادِ راہ سفر حجاز و حج شاہ اسحق و شاہ یعقوب کو عطا کیے چند ہزار مراسم وفات کے لیے دیے، پھر فرمایا میرا کفن اسی کپڑے کا ہو جو میں پہنتا ہوں، آپ کا کرنا ادھو ترکا اور پانچامہ گارٹھے کا ہوتا تھا، جنازہ کی نماز شہر کے باہر ہو، بادشاہ میرے جنازے پر نہ آئے،، شوال یک شنبہ ۱۲۳۹ھ (۱۸۲۳ء) وقت طلوع آفتاب وصال ہوا۔ پہلی نماز جنازہ ترکمان دروازے کے باہر ہوئی، امام شاہ اسحق تھے، بعد ازاں نصیر الدین صاحب شافعی لکھنوی کے مقبرہ میں نماز جنازہ ہوئی، کل ۵۵ بار نماز جنازہ ہوئی۔

حلیہ ”دراز قد، لاغر اندام، گندم رنگ، کلاں چشم، صاف جسم تھے گردا گرد چہرے کے لیے مبارک خوشنما باعبدالغنی، اکثر چہرہ اس کے تلے انگرکھا اور پانچامہ شرعی، دستار کشمش، کلاہ پنبہ دار، رومال بینی پاک نیلا اور پاپوش

نری اور ہاتھ میں عصا، سبز رکھتے تھے، ۱۷

جاگیر | تین موضع آپ کی جاگیر تھی، ان کی سند شاہ عالم بادشاہ (۵۹، ۱۸۰۶ء)

اور دولت راؤ سندھیانے گزرائی تھی، حسن پور اور مراد آباد پرگنہ سکندر آباد سے چاروں بھائیوں میں مشترک تھا اور ایک موضع محل مجنہ پرگنہ بڑھانہ (منظفنگر) سے بلا شرکت غیرے آپ کے تصرف میں تھا، چنانچہ وہ موضع اپنے دونوں نواسوں مولانا محمد اسحاق اور مولانا محمد یعقوب کو عطا کیا تھا، اب تک جاری ہے، مولانا نصر اللہ خاں (خورجوی) کہتے ہیں کہ میری عمل داری میں محل مجنہ کے سالانہ بارہ سو روپے کھدار ہوتے تھے اور اب بھی وہی ہے، ۱۸

شاہ عبدالعزیز اور ان کے خاندان کو نجف خاں کے زمانے میں شدائد و مصائب اختیار کرنے پڑے، اس کا سبب شاہ صاحب کا شیعیت کے خلاف قلمی جہاد میں حصہ لینا تھا، شاہ صاحب کی جائداد اور املاک ضبط ہوئی اور وہ شہر دہلی سے نکالے گئے۔ شاہ عبدالعزیز نے ۳۳ جون ۱۸۰۶ء کو ایک درخواست ریڈیٹنگ دہلی کے توسط سے سیکرٹری پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کو دی تھی کہ دہلی میں ان کی جائداد ضبط ہو چکی ہے، وہ واگزاراشت کی جائے، اس درخواست کو قابل اعتنا سمجھا گیا چنانچہ کیفیت کے خانہ میں درج ہے: (ترجمہ عبارت انگریزی) ریڈیٹنگ دہلی نے جائداد منقولہ کے سپرنٹنڈنٹ کا خط اور نقل پیش کی اور سفارش پیش کی کہ حویلی پالم میں جو زمین پہلے شاہ عبدالعزیز کے پاس تھی وہ واپس ملنی چاہیے۔ شاہ عبدالعزیز کی یہ درخواست منظور ہو گئی اور ۱۷ جولائی ۱۸۰۶ء کو سیکرٹری پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے ریڈیٹنگ کو اطلاع دی گئی کہ گورنمنٹ شاہ عبدالعزیز کی جائداد واگزاراشت کرتی ہے، ۱۹

۱۷ مقالات طریقت ص ۱۳ ۱۸ ایضاً ص ۲۶

۱۹ پروفیسر محمد ایوب قادری، مقدمہ فضائل صحابہ اہل بیت ص ۷۷ طبع لاہور، نواب غازی الدین خان کا بیان ہے کہ جب فرزندان شاہ ولی اللہ کی حویلی ضبط کر لی گئی تو مولانا فخر صاحب نے ان حضرات کو اپنی حویلی میں ٹھہرایا، غنچوی کی، حویلی واپس دلوائی اور اعزاز و اکرام کے امین واپس بھیجا، مناقب فخریہ طبع احمدی دہلی ص ۱۶۔

۱۰۳
تصانیف | تفسیر فتح العزیز، تحفہ اثنا عشریہ، سرالشہادتین، بستان المحدثین، عجالات النافعہ،
 حاشیہ القول الجلیل، سر الجلیل فی مسئلۃ التفضیل، وسیلۃ النجات، عزیز
 الاقتباس فی فضائل اخیار الناس، فیض عام، اصول مذہب حنفی، حاشیہ صدر، حاشیہ
 میرزا ہد رسالہ، حاشیہ میرزا ہد تلاجلال، حاشیہ میرزا ہد امور عامہ، تحقیق الروایا، میزان البلاء
 میزان العقائد، ما یجب حفظہ للنظر، الاحادیث الموضوعہ، حاشیہ علی المقدمۃ السنیہ،
 النبراس شرح العقائد للنسفی، اعجاز البلاغۃ، نظام العقائد شرح ارجوزۃ الاصحی، قرآن
 السعیدیٰ وایضاح النیرین در ذکر شہادت امام حسینؑ، تضمین قصیدہ شاہ ولی اللہ
 فتاویٰ عزیزی۔ ملفوظات عزیزی۔

شاہ عبدالعزیز نے تحفہ اثنا عشریہ کی تالیف ۱۲۰۴ھ / ۱۷۹۰ء میں مکمل کی اور
 اس کی اشاعت ۱۲۱۵ھ / ۱۷۹۹ء میں کلکتہ سے ہوئی تھی اور اس کے فوراً بعد تحفہ
 کی عبارت میں تحریف کے سلسلے کا آغاز ہو گیا، ایک معتقد نے ایک ایسی ہی
 محرفہ اور خلاف عقیدہ اہل سنت عبارت تحفہ کے ایک نسخے میں دیکھ کر شاہ صاحب
 کی خدمت میں عریضہ لکھ کر غلطی دور کرنے کی درخواست کی تو شاہ صاحب نے
 جواب میں تحریر فرمایا کہ :-

”و تعریضات در باب معاویہ رضی اللہ عنہ ازیں فقیر واقع نشدہ اگر نسخہ از تحفہ
 اثنا عشریہ یافتہ شد الحاق کسے خواہد بود کہ بنا بر فتنہ انگیزی و کید و مکر کہ بسا
 مذہب ایشان یعنی گر وہ رفہنہ از قدیم بر ہمیں امور است این کار کردہ باشد چنانچہ
 بسبع فقیر رسیدہ کہ الحاق شروع کردہ اند اللہ خیر حافظا و این تعریضات در نسخہ
 معتبرہ التبتہ یافتہ نخواہد شد۔“

شاہ صاحب کی تفسیر فتح العزیز صرف سپاروں کی طبع ہوئی ہے، اور مشہور
 یہی ہے کہ اتنی ہی لکھی تھی، لیکن ایک روایت یہ ہے کہ
 ”آپ کے ایک شاگرد مولوی یار محمد صاحب نے آپ کے درس قرآن کے
 کئی دوروں پر اپنے مصحف پر حواشی لکھ لیے تھے، وہ ان کے فرزند مولوی محمد

اسحاق کے پاس موجود ہیں، یہ مکمل قرآن مجید کی تفسیر ہے۔
 ایک اور روایت یہ ہے کہ حاجی محمد حسین صاحب سہارن پوری سلمۃ اللہ تعالیٰ
 مولوی نور اللہ صاحب سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ
 کی ایک تفسیر فارسی تمام قرآن مجید کی اکبر آباد کے قاضی کے یہاں موجود ہے مگر
 چھپی نہیں۔“ لہ

اخلاف

شاہ صاحب کی شادی مولوی نور اللہ بڑھانوی کی صاحب زادی سے ہوئی
 تھی اور ان کے بطن سے تین صاحب زادیاں تولد ہوئیں اور تینوں شاہ صاحب
 کی حیات ہی میں وفات پا گئیں۔

بڑی صاحب زادی کا عقد مولوی محمد عیسیٰ (فرزند شاہ رفیع الدین) سے ہوا تھا
 دوسری صاحب زادی کا مولوی محمد افضل لاہوری سے ہوا تھا۔ ان سے دو فرزند
 تولد ہوئے۔ شاہ محمد اسحاق اور شاہ محمد یعقوب اور تیسری صاحب زادی کا کاج
 مولوی عبدالحی بڑھانوی سے ہوا تھا۔ جو شاہ صاحب کی اہلیہ کے بھتیجے (مولوی
 مہبت اللہ بن نور اللہ کے بیٹے) تھے، ان صاحب زادی سے بھی کوئی اولاد نہیں
 ہوئی، اور یہ بھی شاہ صاحب کی حیات ہی میں وفات پا گئیں۔

شاہ محمد اسحاق کے ایک صاحب زادے اور تین صاحب زادیاں تھیں،
 صاحب زادہ کا نام سلیمان تھا مگر وہ نو عمری ہی میں وفات پا گئے۔
 ایک صاحب زادی (امۃ الغفور) ملا عبد القیوم بڑھانوی سے بیاہی گئی تھیں
 ان سے ایک دختر اور دو صاحب زادہ ۱۱ حافظ مولوی یوسف اور ۱۲ حافظ
 مولوی محمد ابراہیم تھے، حافظ محمد یوسف لا ولد رہے، حافظ ابراہیم کے ایک
 لڑکے حافظ محمد اسماعیل اور دو لڑکیاں (حبیبہ اور ام سلمیٰ) ہوئیں محمد اسماعیل کے

ایک فرزند ہیں، حافظ محمد احمد ان کے بھی ایک فرزند ہیں، حافظ مصطفیٰ بھوپال میں مقیم ہیں، صاحب اولاد ہیں۔ ام سلمیٰ مولوی قاضی محمد شعیب (بن قاضی محمد عیسیٰ بن قاضی محمد ایوب ٹھٹتی) کو بیابھی تھیں جن سے مولوی محمد زبیر صدیقی (بھوپال) ہیں صاحب اولاد ہیں، حبیبہ سید عباس علی کو بیابھی تھیں ان سے سید جعفر علی لاہور میں مقیم ہیں۔
 شاہ اسحاق کی دوسری صاحب زادی شاہ اہل اللہ کے پڑپوتے شاہ مختتم اللہ کو بیابھی تھیں، شاہ مختتم اللہ کے صرف ایک فرزند مولوی عبدالرحمن کا علم ہے۔ یہ مکہ معظمہ میں مقیم تھے۔ مولانا عبید اللہ سندھی نے "المسوی" کا نسخہ انھی مولوی عبدالرحمن کے ورثا سے حاصل کیا تھا۔

شاہ صاحب کی تیسری صاحب زادی شاہ رفیع الدین کے نواسے مولوی سید نصیر الدین مجاہد (شہید ۱۸۴۲ء درغزلی) کو بیابھی تھیں، ان کے دو صاحبزادے تھے ۱۱ مولوی عبداللہ اور ۱۲ مولوی عبدالحکیم۔
 شاہ یعقوب کی ایک دختر کا نکاح مرزا امیر بیگ سے ہوا تھا، ان کے صاحب زادے مولوی خلیل الرحمن تھے۔

شاہ رفیع الدین دہلوی

ولادت ۱۱۶۳ھ/۱۷۴۹ء، وفات ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء

والد کی وفات کے وقت ۱۲/۱۳ سال کے تھے اور میبذی وغیرہ پڑھ رہے تھے، بڑے بھائی شاہ عبدالعزیز ماموں شاہ محمد عاشق وغیرہ سے تحصیل علوم سنی، شاہ عبدالعزیز اپنے ایک مکتوب (۱۱۷۹ھ) بنام شاہ ابوسعید رائے بریلوی میں تحریر فرماتے ہیں: "رفیع الدین بفضل الہی تحصیل علوم سے فارغ ہو گئے ہیں"

لہ مکتوب المعارف مطبع مطبع الانوار سہارن پور ۱۳۰۲ھ

ایک مجلس میں علماء و فقہاء کے سامنے ان کے دستِ تبرک باندھی گئی۔ اور درس کی اجازت دی گئی، الحمد للہ بہت سے طلبہ ان سے مستفید ہو رہے ہیں۔“

پھر جب شاہ عبدالعزیز نے اشتداد و عوارض اور اضمحلال قوا کی بنا پر تدریس ترک کر دی تو ان کے اسباق شاہ رفیع الدین ہی کے سپرد ہوئے اور مدرسہ کی صدارت کا بار آپ ہی نے اٹھایا اور نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک سرگرم افادہ تدریس رہ کر ہزاروں فضلاء پیدا کئے، شاہ رفیع الدین کو اپنے سب بھائیوں میں یہ امتیاز حاصل تھا کہ دینیات کے ساتھ معقولات میں بھی کمال حاصل تھا۔ ملفوظاتِ عزیزی میں شاہ رفیع الدین کے ریاضیات میں تبحر کے سلسلے میں کئی ملفوظ ہیں، ایک بار فرمایا کہ میرے ہزاروں شاگردوں میں سے مولوی رفیع الدین کو خاص مرتبہ حاصل ہے۔ ریاضیات میں تو انھیں موجد کا مقام حاصل ہے۔ ایک بار فرمایا ”فن ریاضی میں مولوی رفیع الدین کی مثال ہندو ولایت میں نہیں ملے گی۔“ شاہ عبدالعزیز کی نظر میں شاہ رفیع الدین کا جو مقام رفیع تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اپنی تفسیر فتح العزیز میں حملۃ العرش من وعن نقل کر دی ہے، ایک بار ایک ارادت مند نے عرض کی کہ میں نے خواب میں آفتاب کو غروب ہوتے دیکھا ہے، شاہ عبدالعزیز نے جواب دیا۔ ”آفتاب غروب تو ہو گیا شاہ رفیع الدین چلے۔“

شاہ رفیع الدین کو بیعت ارشاد شاہ محمد عاشق سے تھی کسی مجذوب کی نظر سے بھی فیض پایا تھا۔

شاہ صاحب نے تدریس و افتاء کے ساتھ تصنیف و تالیف کی طرف بھی مناسب توجہ فرمائی اور اگرچہ آپ کی تالیفات مبسوط و مطول نہیں ہیں بلکہ رسائل و مختصرات کے ذیل میں آتی ہیں لیکن اپنے مواد اور مشتملات کی نوعیت، ندرت و منوعات اور متبحرانہ انداز بیان کی بنا پر وہ بڑی ہی بیش قیمت ہیں، شاہ صاحب کی تالیفات نشر میں بھی ہیں اور نظم میں بھی، عربی میں بھی، فارسی میں بھی

۱۔ ملفوظاتِ عزیزی منہ ۶۲، ۶۳ مطبع مجتہبی میرٹھ۔

(۱) ترجمہ اردو کلام اللہ، یہ ترجمہ آپ نے تقریباً ۱۲۵ھ میں مکمل فرمایا تھا۔ مگر مولوی عبدالرحیم ضیا کا جو اسی دو دمان گرامی کے منتسبین و خدام میں سے ہیں، بیان ہے کہ لے

ترجمہ تحت لفظی قرآن بعض کہتے ہیں کہ آپ نے شروع کیا تھا مگر ناتمام رہا دوسروں نے تمام کر کے آپ کے نام سے شہرت دی۔
عبدالرحیم ضیا کے اکثر بیانات کو ہم نے تحقیق کے بعد مبنی بر حقیقت پایا ہے اس لیے ان کے اس انکشاف کو بھی ہم بے اصل اور ناقابل التفات تصور نہیں کر سکتے خصوصاً اس لیے بھی کہ اس خاندان کے اکثر علما کے ساتھ ایک گروہ — اہل حدیث نے یہ معاملہ کیا ہے اور ان کی تحریروں میں تحریف و تغیر اور ان کی طرف اپنی مصنفہ کتابوں کو نسبت و شہرت دینے میں اس گروہ کو یوں طولا حاصل ہے۔ ہم نے ایک مستقل مضمون میں ان تحریفات کی نشان دہی کی ہے۔

(۲) راہِ نجات، ایک مختصر رسالہ (مضامین ۳۲ صفحات) پہلی بار مطبع مصطفائی لکھنؤ سے ۱۲۶۰ھ / ۱۸۴۴ء میں شایع ہوا تھا۔

(۳) تفسیر ربیع، سورہ بقرہ کی اردو تفسیر ہے، جو شاہ صاحب کے درس قرآن کی تقاریر پر مشتمل ہے یہ تقاریر شاہ صاحب کے مسترشد سید نجف علی معروف بہ فوج دار خاں نے قلم بند کی تھیں اور شاہ صاحب سے اصلاح بھی کر والی تھی، یہ تفسیر فوج دار خاں کے بیٹے سید عبدالرزاق نے ۱۲۶۲ھ / ۱۸۵۶ء میں مطبع نقشبندی سے شایع کی، تفسیر پر سید عبدالرزاق نے جو پیش لفظ لکھا تھا، اس میں نہ صرف تفسیر ربیع بلکہ ترجمہ قرآن کے متعلق بھی صراحت کی ہے کہ یہ دونوں شاہ صاحب کے نہیں ان کے والد — فوج دار خاں کے لکھے ہوئے ہیں۔

۱۸ مقالات طریقت، معروف بہ فضائل عربی تالیف ۱۲۹۱ھ / ۱۸۷۴ء -

۱۹ مقالہ مولانا محمد عبدالملیم چشتی، بنیات رمضان ۱۲۸۲ھ کراچی -

والد بزرگ وار میرے نے بخدمت مولوی رفیع الدین رحمۃ اللہ
 کے عرض کیا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ ترجمہ کلام اللہ تحت لفظی آپ سے
 پڑھ کر زبان اردو میں لکھوں پھر آپ ملاحظہ فرما کر اصلاح دے کر درست
 فرمادیا کریں، چنانچہ آپ نے قبول فرمایا اور تمام کلام اللہ اسی طرح
 سے مرتب ہوا اور رواج پایا اسی صورت سے تفسیر سورہ بقرہ کے بطور
 فائدوں کے تمام و کمال مفصل و مشرح لکھی تھی اور موسوم بہ تفسیر رفیعی کیا۔
 مندرجہ بالا اقتباس سے عبدالرحیم ضیا کے اس بیان کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے
 جو ہم نے ترجمہ قرآن کے سلسلے میں نقل کیا تھا، آپ محسوس کریں گے کہ ضیا کے
 بیان میں وزن ہے !!
 فارسی :-

- (۱) - رسالہ اذان نماز، تالیف محرم ۱۲۲۰ھ
- (۲) - رسالہ فواید نماز -
- (۳) - حملۃ العرش -
- (۴) - شرح رباعیات -
- (۵) - بیعت -
- (۶) - شرح چہل کاف، تالیف صفر ۱۲۲۰ھ
- (۷) - شرح برہان العاشقین (رسالہ معما)، تالیف ۱۳ جمادی الاخریٰ ۱۲۲۰ھ
- (۸) - ندور بزرگان -
- (۹) - جوابات سوالات اثنا عشر -

مندرجہ بالا ۹ رسائل ایک مجموعہ کی صورت میں مجموعہ رسائل تسعہ کے نام سے
 مولوی سید ظہیر الدین ولی اللہی نے مطبع احمدی دہلی سے شایع کئے تھے، پھر سن ۱۳۸۱ھ
 ۱۹۶۳ء میں مولانا عبد الحمید سواتی نے مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ سے شایع کیے
 ہیں۔

- (۱۰) - مجموعہ فتاویٰ شاہ رفیع الدین مطبع مجتہبی دہلی ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء و مدرسہ
 نصر العلوم گوجرانوالہ ۱۳۸۱ھ / ۱۹۶۳ء -

- (۱۱) - آثار القیامت (قیامت نامہ) مطبوعہ
 (۱۲) - تنبیہ الغافلین، مطبع احمدی چجرہ، ہوگلی کلکتہ
 (۱۳) - رسالہ سمت قبلہ -
 (۱۴) - رسالہ تعذیلات الخمسة المتجیرہ -

عربی :-

- (۱) - اسرار المحبۃ مطبوعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ ۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۵ء تحقیق و تصحیح
 مولانا عبد الحمید سواتی -
 (۲) - تفسیر آیۃ نور ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۴ء گوجرانوالہ تصحیح مولانا عبد الحمید سواتی -
 (۳) - تکمیل الاذہان تالیف ۱۲۳۰ھ { مطبوعہ ۱۳۸۳ھ / ۱۹۶۵ء گوجرانوالہ
 (۴) - مقدمة العلم { تحقیق و تصحیح مولانا عبد الحمید سواتی -
 (۵) - دمع الباطل، شاہ ولی اللہ کے مکتوب مدنی کے جواب میں مولوی غلام محی
 بہاری ف ۱۷۶۷ء نے رسالہ کلمۃ الحق لکھا تھا، شاہ رفیع الدین نے
 کلمۃ الحق کے جواب میں دمع الباطل تحریر فرمایا، اس رسالے کے مخطوطات
 سالار جنگ میوزم دکن، رضالائبریری رام پور اور کتب خانہ شروانی
 علی گڑھ میں ہیں -
 (۶) - رسالہ فی اثبات شق القمر و ابطال براہین الحکمہ
 (۷) - رسالہ فی تحقیق الالوان -
 (۸) - رسالہ فی الحجاب -
 (۹) - رسالہ فی برہان التمانع -
 (۱۰) - رسالہ فی عقد الانامل -
 (۱۱) - حاشیہ بر میرزا ہد رسالہ -
 (۱۲) - الدر الدراری -

لہ مولانا عبد الحمید سواتی کو اربیات ولی اللہی سے خصوصی شغف تھا اور موصوف نے اس خاندان اور خصوصاً
 شاہ صاحب کی متعہ و کتب بڑی محنت و جانفشانی سے مرتب کر کے شایع فرمائی ہیں۔ بجز اہم اللہ تعالیٰ -

(۱۳)۔ رسالہ فی المنطق۔

(۱۴)۔ رسالہ فی الامور العامہ۔

(۱۵)۔ رسالہ فی التاریخ۔

نظم :-

(۱)۔ قصیدہ 'عینہ'، دربرہ قصیدہ 'شرح الیس'۔

(۲)۔ قصیدہ 'معراجیہ'۔

(۳)۔ تمغیس برقصیدہ شاہ ولی اللہ در بیان حقیقت نفس۔

۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۸ء میں دہلی میں جو دبا، ہیضہ پھیلی تھی، اس سے شاہ رفیع الدین

بھی متاثر ہوئے جب مرض نے شدت اختیار کر لی تو شاہ عبدالعزیز نے حفاظ کو

سورہ تبارک و یسین کی تلاوت کا حکم دیا جب وفات واقع ہو گئی تو عزیزوں کو تسلی

دی اور خدام کو حکم کہ والد ماجد کے پانچتیس جو جگہ میں نے اپنے لیے مخصوص کی تھی،

وہاں قبر تیار کرو جب جنازہ باہر آیا تو روتے ہوئے جنازہ کو کا ندھا دیا اور نماز جنازہ

ادا کر کے جنازہ کو رخصت کیا اور خود بعد میں (شاید سواری پر) مقبرہ پہنچے۔ قبر تیار

ہو رہی تھی، جنازہ کے قریب والد کی قبر کے پاس مراقب ہو گئے، دفن کے بعد خود

بھی مٹی دی اور فاتحہ پڑھ کر رخصت ہوئے، شہر آ کر زمانے میں گئے، وہاں سے

مدرسہ (میر دلنے) اگر لوگوں کو وداع کیا اور تلقین صبر کی اور فرمایا ان سے میرے

چار رشتے تھے (۱) ایک حقیقی بھائی تھے (۲) والد مرحوم نے فرمایا تھا کہ یہ تیرا بیٹا ہے

(۳) میری دایا کا اکھوں نے بھی دودھ پیا تھا (۴) شاگرد تھے۔

شاہ رفیع الدین ہی کی وفات پر شاہ عبدالعزیز نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ہم چاروں

(حقیقی) بھائیوں کی رحلت میں ترتیب منعکسہ واقع ہوئی ہے۔ سب سے پہلے سب

سے چھوٹے بھائی مولوی عبدالغنی گئے، ان کے بعد ان سے بڑے مولوی عبدالقادر

ان کے بعد ان سے بڑے مولوی رفیع الدین، اب میری جو ان سب سے بڑا تھا۔

باری ہے۔" ۲۷

۱۱۱
 فاتحہ سوم میں مجمع کثیر ہو گیا تھا، اکیاسی بار سے زیادہ کلام اللہ ختم ہوا، شاہ
 دہلی اکبر شاہ ثانی کی طرف سے شاہ زادہ سکیم و بابر و جوآں بخت نے مجلس میں
 شرکت کی اور نذریں پیش کیں۔

اخلاف

شاہ رفیع الدین کے چھ صاحب زادے اور ایک صاحب زادی تھیں (۱) مولوی
 محمد عیسیٰ (۲) مولوی مصطفیٰ (۳) مولوی مخصوص اللہ (۴) مولوی محمد حسین (۵) مولوی
 محمد موسیٰ (۶) مولوی محمد حسن۔

مولوی محمد عیسیٰ کا عقد شاہ عبدالعزیز کی بڑی صاحب زادی سے ہوا تھا،
 مولوی محمد مصطفیٰ کا عقد شاہ عبدالقادر کی صاحب زادی زینب سے ہوا تھا، ان
 کی صاحب زادی کلثوم تھیں جو شاہ محمد اسماعیل کو سیاہی گئیں اور ان سے شاہ
 محمد عمر پیدا ہوئے مولوی محمد موسیٰ کے ایک صاحب زادہ عبدالسلام اور ایک دختر
 تھیں۔

مولوی محمد حسن کے ایک صاحب زادہ احمد حسن اور چند صاحب زادیاں
 تھیں، مولوی احمد حسن کی صاحب زادی مولوی علاء الدین پھلتی کو سیاہی تھیں،
 یہ بزرگ مولانا فضل اللہ الجیلانی (نبیرہ مولانا سید محمد علی مونگیری بانی ندوہ) کے
 نانا تھے۔

شاہ رفیع الدین کی صاحب زادی امۃ اللہ کا عقد مولوی سید نجم الدین سونی
 پتی سے ہوا تھا، ان سے دو صاحب زادے تھے (۱) سید ناصر الدین اور (۲) سید
 نصیر الدین، سید ناصر الدین کے صاحب زادے سید معز الدین تھے اور سید معز الدین

۱۸ ملفوظات عزیزی ص ۸۔

۱۹ دہلی اور اس کے اطراف ص ۶۳ مقالات طریقت ص ۱۸۔

کے صاحب زادے مولوی سید ظہیر الدین ولی اللہی تھے۔ جنہوں نے اپنے اسلاف کی بہت سی کتابیں شایع کر کے ان کو ضائع ہونے سے بچالیا۔

مولوی سید نصیر الدین کا عقد، شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی کی دختر سے ہوا تھا ان سے دو صاحب زادے تھے (۱) عبداللہ اور (۲) مولوی عبدالحکیم، یہ دونوں اپنے نانا شاہ محمد اسحاق کے ساتھ مکہ معظمہ ہجرت کر گئے تھے، اس لیے ان کے بعد کی نسلوں کے حالات سے ہم بے خبر ہیں۔

شاہ عبدالقادر دہلویؒ

ولادت ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۳ء والد کی وفات کے وقت صرف ۹ برس کے تھے، اور صرف میز پڑھتے تھے، علوم کی تکمیل شاہ محمد عاشق اور دوسرے علما سے کی، بیعت ارشاد شاہ عبدالعدل دہلوی سے کی۔

”تمام عمر اکبر آبادی مسجد کے ایک حجرے میں بسر کر دی“ (سر سید)۔ ۳۰ سال اکبر آبادی مسجد کے ایک حجرے میں رہے ہفتہ میں ایک روز (چهار شنبے کو) شاہ عبدالعزیز اور دوسرے اعزہ سے ملنے مسجد سے مکان آیا کرتے تھے۔ (مقالات طریقت ص ۲۲)

۱۲۰۵ھ میں قرآن مجید کا اردو ترجمہ مکمل کیا، سر سید احمد خاں لکھتے ہیں عربی زبان کا اردو ترجمہ سب سے پہلے مولوی عبدالقادر صاحب اور مولوی رفیع الدین صاحب نے کیا، جس کا تاریخی نام ”موضح قرآن“ ہے اور جو پہلی بار ۱۲۵۴ھ/۱۸۴۶ء میں سید عبداللہ بن بہادر علی نے مطبع احمدی بنگلہ (بنگال) سے شایع کیا تھا، مولوی سید شاہ جہاں داماد میاں نذیر حسین نے ۱۳۰۷ھ میں اس میں اضافات کر کے شایع کیا، چنانچہ مولوی سید ظہیر الدین احمد ولی اللہی نے انفاس العارفین کے آخر میں اس خاندان کی جن جعلی کتابوں کی نشان دہی کی ہے، ان میں تحفہ

لہ تذکرہ اہل دہلی ص ۷۔

الموحدين اور البلاغ المبين اور "تفسير مولانا شاه عبدالقادر المعروف بموضح القرآن" ^{۱۱۳} بھی ہے۔

صاحب تزیبہ الخواطر نے شاہ صاحب کے ایک رسالہ "ارڈو" "تقریر الصلوٰۃ" کا بھی نام لیا ہے۔

وصال ۱۲۳۰ھ / ۱۸۱۴ء میں ہوا۔

آپ کے تلامذہ کا شمار ممکن نہیں، امام فضل حق خیر آبادی، مولانا صدر الدین آزرده شاہ محمد اسماعیل شہید، شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی، شاہ محمد یعقوب دہلوی مہاجر مکی جیسے اکابر فضلاء عمر نے آپ سے علوم عقلیہ و نقلیہ میں استفادہ کی سعادت حاصل کی تھی۔

آپ کی جسمانی یادگار صرف ایک صاحب زادی زینب تھیں جن کا عقد آپ نے اپنے بھتیجے شاہ مصطفیٰ فرزند شاہ رفیع الدین سے کیا تھا، ان کے بطن سے صرف ایک صاحب زادی کلثوم تولد ہوئیں جو شاہ اسماعیل کو بیابھی گئی تھیں، کلثوم کے صاحب زادے شاہ محمد عمر تھے جو ایک درویش نہاد عالم تھے، ۱۲۶۸ھ میں شاہ محمد عمر رحلت فرما گئے۔

شاہ عبدالغنی دہلوی

ولادت ۱۱۷۱ھ / ۱۷۵۸ء، والد کی وفات کے وقت صرف ۵ سال کے تھے اور قرآن مجید حفظ کر رہے تھے، حفظ قرآن مجید سے فراغت کے بعد نو سال کی عمر میں حراب سنائی اور فارسی کا نصاب شروع کیا۔ پھر عربی کی صرف و نحو کا آغاز کیا۔ یہ معلوم نہیں کہ تکمیل علوم بھی کی تھی یا نہیں؟

والد کے ایک شاگرد شیخ علاء الدین پھلتی کی صاحب زادی فاطمہ سے عقد ہوا جن کے بطن سے ایک صاحب زادی رقیۃ اور ان کے بعد سن ۱۱۹۳ھ / ۱۷۷۹ء

لہ الثقافة الاسلامیہ فی الہند طبع بیروت ص ۱۱۱۔ سہ مکتوب المعارف۔

میں شاہ محمد اسماعیل پیدا ہوئے ، شاہ اسماعیل کے بعد ایک اور صاحب زادی بھی
تولد ہوئیں۔ شاہ اسماعیل کی والدہ کا ۱۸۲۲ء میں سفرِ حج کے دوران وصال ہوا۔
اور شاہ عبدالغنی ۱۲۰۳ھ / ۱۸۱۹ء میں ۳۲، ۳۳ سال کی عمر میں جہانِ فانی سے رخصت
ہوئے۔

” آپ بڑے صاحبِ کشف و کرامات ، عارفِ کامل زاہد و پرہیزگار یکتائے
روزگار بزرگ تھے “ ۱۷

عجب ہے کہ محمد جعفر تھانیسری نے سوانح احمدی میں شاہ عبدالغنی کو سید احمد
شہید کے مریدین میں محسوب کیا ہے ، حال آنکہ سید احمد شہید شاہ عبدالغنی کی وفات
کے وقت صرف دو ڈھائی برس کے تھے ، تھانیسری نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بزرگ
آخر میں مجنوں ہو گئے تھے۔ بی بی رقیہ کی شادی شیخ کمال الدین بن محمد معشوق بن
علاء الدین پھلتی سے ہوئی تھی۔ شیخ کمال الدین کے انتقال کے بعد شاہ اسماعیل
نے نکاح بیوگان کی تحریک کے دوران ان کا نکاح ثانی مولوی عبدالحی بڈھانوی
سے کر دیا تھا ۱۸۔

شاہ اسماعیل کی شادی ، شاہ عبدالقادر کی نواسی اور شاہ رفیع الدین کی پوتی
کاتھوم سے ہوئی تھی جن سے صرف ایک فرزند شاہ محمد عمر ہوئے ۱۹
شاہ عبدالغنی کی دوسری صاحب زادی صاحبِ اولاد تھیں اور ۱۳۱۱ھ میں
ان کی چند صاحب زادیاں بقیدِ حیات تھیں۔ ۲۰

۱۷ جماعت مجاہدین ص ۱۳۳ ، ۱۸ مقالات طریقت ص ۲۳۳ سوانح احمدی طبع کراچی ص ۲۹۵ ،

۱۹ مخزن احمدی ص ۲۵۵ از سید احمد علی رائے بریلوی ، ۲۰ مقالات طریقت ص ۲۲۲۔

۲۱ مقدمہ فتوا از مرزا محمد بیگ دہلوی ص ۱۲۔

شاہ ولی اللہ کے اخلاف و احفاد

شاہ محمد اسحاق دہلوی

شاہ محمد اسحاق دہلوی، شاہ عبدالعزیز کے بڑے نواسے، خلیفہ اور جانشین تھے خان وادہ ولی اللہی کے آخری عظیم و جلیل رکن، انیسویں صدی عیسوی کے بیشتر خدام حدیث نبوی کے شیخ تھے، شاہ ولی اللہ نے برسوں پہلے اپنے احفاد کے دائرہ فیض کی وسعت کی جو پیش گوئی کی تھی، اس کے مصداق شاہ اسحاق ہی تھے، ہم شاہ محدث کی حیات اور ان کے علوم پر ایک مبسوط کتاب تالیف کر چکے ہیں اس لیے یہاں ان کی حیات کا ایک خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

والد کا نام شیخ محمد افضل، ولادت ۱۷۸۲ء، تعلیم شاہ عبدالعزیز اور شاہ عبدالقادر سے حاصل کی، حجاز میں شیخ عمر بن عبدالکریم مکی سے بھی سند حدیث لی، تربیت باطن بھی نانا اور شاہ عبدالقادر سے حاصل کی اور شاہ عزیز سے سلسلہ قادریہ میں بیعت کی، تعلیم سے فراغت ۱۸۰۸ء میں حاصل کی اور معاً بعد مدرسہ رحیمیہ میں تدریس کی مسند پر رونق افروز ہو گئے اور مسلسل ۴۰ سال درس دیتے رہے، ۱۸۲۳ء میں نانا کی وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے۔

۱۸۲۳ء میں فریضہ حج ادا کرنے کے لیے تشریف لے گئے اور دو سال بعد ۱۸۲۴ء میں واپس ہوئے، اس سفر میں حج و زیارت کے علاوہ وقت کے محدث

شیخ عمر بن عبدالکریم سے سندِ حدیث بھی حاصل کی، مراجعت کے بعد ۱۶ سال درس و ارشاد و افتا میں مصروف رہے اور ۱۸۴۲ء میں دہلی سے مکہ معظمہ ہجرت فرما گئے وہاں بھی طاعت و ریاضت کے علاوہ درس و ارشاد کا شغل جاری رہا، جوارِ حرم میں چار سال اور چند ماہ قیام کے بعد ۱۸۴۵ء میں وصال فرمایا اور اُمّ المؤمنین سیدنا خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزارِ مبارک کے جوار میں مدفون ہوئے۔ حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ المصابیح کا ترجمہ اردو اور مختصر فارسی رسالہ "شعب الایمان" آپ کی قلمی یادگار ہیں۔ "مسائل اربعین" اور "ماتہ مسائل" کو بھی ایک متشدد گروہ نے آپ کی جانب غلط نسبت دی ہے، ہم نے اپنی کتاب میں بہ دلائل ثابت کیا ہے کہ یہ آپ کی تالیف نہیں ہیں۔

شاہ محمد یعقوب دہلوی

شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کے نواسے اور شاہ محمد اسحاق کے چھوٹے بھائی، صرف چھوٹے بھائی ہی نہیں ہم خیال و ہم مسلک تھے، زندگی بھر رفیق و شریک حال رہے۔
 اسم گرامی محمد یعقوب اور عرف چھوٹے میاں تھا، ولادت ۲۸ رذی الحجہ ۱۲۰۰ھ
 ۱۷۸۶ء تحصیل علوم زیادہ تر شاہ رفیع الدین سے کی۔ ضیاء کا بیان ہے کہ تین سبق
 شرح تلمیذ کے حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ سے پڑھے ہیں اکثر علوم شاہ رفیع الدین
 سے حاصل کئے، تفسیر جلالین شاہ عبدالعزیز سے ان کی چہل قدمی کے دوران پڑھی،
 سند شاہ عبدالعزیز نے عطا فرمائی، فراغت کے بعد اپنے بزرگوں کے مدرسے
 میں درس دینے لگے۔ ۱۲۴۰ھ / ۱۸۲۳ء میں اپنے بڑے بھائی کے ساتھ فریضہ
 حج ادا کیا، واپسی پر درس کا سلسلہ جاری رہا ۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء میں یہ پورا گھرانہ
 ہند کے دارالحرب سے مکہ معظمہ ہجرت کر گیا، وہاں بھی درس و ارشاد کا سلسلہ
 جاری رہا، ۲۴ برس جو اربیت اللہ میں قیام کے بعد ۲۸ رذی قعدہ ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۶ء
 کو وصال فرمایا۔

آپ سے علوم دینیہ اور فیض باطن حاصل کرنے والوں میں سے نواب صدیق
 حسن خاں، مولانا مظفر حسین کاندھلوی، مولوی عبدالعزیز جعفری، ملا عبدالقیوم دہلوی

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمد زماں (شہید ۱۲۹۲ھ) شیخ محمد محدث تھانوی، خواجہ احمد بن یاسین نصیر آبادی، مولوی محمد سعید عظیم آبادی جیسے رجال علم و عمل ہیں۔ اور حاجی منیر خاں رئیس خانیپور، سکندر شاہ، عبدالرحیم نگیٹہ ساز، نعمت خاں (خادم خاص) وغیرہ جیسے بکثرت اشخاص بھی آپ سے متمتع ہوئے، ان حضرات میں سے مولانا قاسم کا بیان ہے کہ مولانا محمد یعقوب صاحب قلب کے اندر جو نہایت باریک چور ہوتے ہیں ان سے خوب واقف تھے۔

مؤلف سوانح احمدی نے آپ کو سید احمد شہید کا مستفید و مرید اور ان کا خلیفہ بتایا ہے۔ یہ اگرچہ عقلاً مستبعد نہیں ہے مگر مؤلف موصوف نے شاہ عبدالعزیز کے گھرانے کے بارے میں اس قدر غلط بیابیاں کی ہیں کہ اس کی کسی بات کا بغیر سند کے اعتبار نہیں کیا جاسکتا، خود شاہ محمد یعقوب نے ہمیشہ اپنے فخر و زگار نانا ہی کے دامان تربیت سے وابستگی کو اپنے لیے باعث فخر و لائق ذکر سمجھا، چنانچہ ان کے ایک مسٹر شدہ شیخ محمد محدث تھانوی تحریر فرماتے ہیں

اور ۱۲۶۳ھ میں فقیر کو بعد شرف بیعت و صحبت اپنے بمقام مکہ معظمہ شرفنا اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مولوی محمد یعقوب مہاجر مکی نواسہ اور خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ نے اجازت تمام اذکار و اعمال و اشتغال جملہ طریقوں کی جو ان کو حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ سے پہنچے تھے مع خرقة کرتہ شریف اپنے کے و مع سند مہری علم حدیث اور علم تفسیر وفقہ و اصول حدیث اور تصوف..... عطا فرمائی۔

شاہ محمد یعقوب کو اگرچہ شاہ محمد اسماعیل کے طرز فکر اور مسلک سے اتفاق

۱۔ مقالات طریقت ص ۲۳۳ امیر الروایات ص ۱۵۱ و بعد ص ۲۳۶ و ارشاد محمدی از محدث تھانوی ص ۳
 ۲۔ مقالات ص ۲۳۶ و امیر الروایات ص ۱۵۱ ۳۔ امیر الروایات ص ۱۵۱ ۴۔ ارشاد محمدی ص ۳ مطبع محبوب المطابع میرٹھ ۱۳۰۸ھ / بار دوم و تالیف ۱۲۷۷ھ

نہیں تھا مگر ان بزرگوں کے اختلافات حدود میں محدود ہوتے تھے، چنانچہ ادھر فریقین میں معاشرتی روابط خوش گوار تھے ادھر خاص تحریک جہاد بالکفرہ میں شاہ محمد یعقوب اور ان کے برادرِ مکرم نے ممکن اعانت کی، امیر شاہ خاں کا بیان ہے کہ شاہ اسماعیل نے حج کو روانہ ہونے سے قبل خاص خاص علماء کی ایک مجلس طلب کی تھی جس میں شاہ محمد یعقوب بھی شامل تھے، ان حضرات سے شاہ اسماعیل نے تقویت الایمان کے اندازِ بیان کے سلسلے میں مشورہ کیا تھا۔

مجاہدین کی ہجرت کے بعد ہندستان میں اعانت مجاہدین کا کام انہی دونوں بھائیوں نے سنبھالا تھا، پورے ملک سے جو قافلے آئے وہ انہی بھائیوں سے مل کر اور ہدایت لے کر آگے بڑھتے، سروسے جو ہدایات آتی تھیں وہ انہی بھائیوں کی وسطت سے آتیں۔ زراعت کی فراہمی اور اسے مجاہدین تک پہنچانے کی ذمہ داری بھی انہی کی تھی، چنانچہ اس سلسلے میں سید صاحب کے متعدد خطوط ان حضرات کے نام ہیں خطوط جن حالات میں لکھے جاتے تھے اور قاصد جن راستوں سے گزرتے تھے ان کی وجہ سے کاتب اور مکتوب الیہ کے اسما صراحتہً نہیں لکھے جاتے تھے اور عموماً القاب اس قسم کے ہوتے تھے یہ

شیخین جلیلین للدرایۃ عینین وللرویتہ اذنین وللسماحتہ یدین وللشہادۃ
عضدین وللعبادۃ فذمین وللہدایتہ علمین اکبرہما فلا یریب فی انہ شجرۃ غائرۃ الاصول
والاعراق ناضرۃ الغصون والادراق واما اصغرہما فلا شک انہ ثمرۃ طعمہا مرغوب
ویریحہا محبوب۔

یا

اتی کریم الاخلاق طیب الاعراف فاتح الاعلاق والی اخیہ المحبوب ذی الخلق المرغوب

یا

ناصران بکلمۃ الثنا صمان لدین الثنا اما اکبرہما فلا شک انہ نفی الاعراق صغی الاخلاق
وصی الآفاق واصغرہما فلا یریب انہ ذوالخلق المرغوب مطہھا ادناس العیوب

مولوی سید نصیر الدین مجاہد کے ایک خط سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہ محمد یعقوب کا سندھ کی طرف ہجرت کا ارادہ تھا، مولوی سید نصیر الدین لکھتے ہیں:-
 ”برائے ہجرت بھائی یعقوب ملک سندھ بسیار خوب است۔“

مجاہدین و مہاجرین ہند میں ایک گروہ مولوی سید محبوب علی کی قیادت میں سید صاحب سے بغاوت کر کے جب سرحد سے لوٹ آیا تھا اور دہلی میں تحریک جہاد کے خلاف جدوجہد میں مصروف تھا تو تحریک جہاد بہت متاثر ہو گئی تھی، کیوں کہ انہیں مجاہدین کے قافلوں میں رکاوٹ پیدا ہو گئی تھی، ادھر مادی اعانت بند ہو گئی تھی، اس فتنہ کو رفع کرنے اور دوبارہ یہ سلسلہ شروع کرتے کا سہرا انہی دونوں بھائیوں کے سر ہے۔

انسوس ہے کہ ان دونوں بھائیوں کو نظر انداز کر دینے، فراموش کر ڈینے اور ان کی خدمات کو بھلا دینے کی منظم و متحد سعی کی گئی ہے، اس لیے ان حضرات کی سوانح کے صرف چند گوشے بمشکل اوراق تاریخ میں محفوظ رہ گئے ہیں، خسرال، اولاد، نقصان مسترشدین و مستفیدین، غرض پوری زندگی کو اوجھل کر دیا گیا ہے، ورنہ ان دونوں برادرانِ کرام کا مرتبہ اس سے ظاہر ہے کہ شاہ ولی اللہ نے جو پیش گوئی کی تھی کہ اگر چہ میرے فرزند بھی مبارک ہیں اور ان میں نیکی ظہور پذیر ہوگی۔

مگر تدبیر غیب کا تقاضا یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو اور ہستیاں پیدا ہوں گی جو مدتوں مکہ اور مدینہ میں علوم دینی کی ترویج کریں گی اور وہیں رہیں گی اور یہ دونوں ہستیاں اپنی ماں کے رشتے سے مجھ سے متعلق ہوں گی۔

تو نواب صدیق حسن خان کے بقول اس کے مصداق شاہ اسحاق و شاہ یعقوب ہو سکتے ہیں۔

سر سید احمد خاں اپنے دور کے جن خاصاں دہلی کے ذکر جمیل سے آثار الصنادید کے اوراق کو زینت دی تھی، ان میں شاہ محمد یعقوب بھی تھے لکھتے ہیں:-

”علم و فضل میں بھی کم پایہ نہیں رکھتے تھے الا خلق جمیل و صفات
 جزیل اور قناعت و استغنا میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے اکثر دیکھا
 گیا ہے کہ جب کوئی بطور ہدیہ پیش کش کچھ لایا کچھ قبول نہ کیا جو
 سرمایہ اپنے پاس رکھتے ہیں، اس میں بسر اوقات کرتے ہیں
 خواہ بہ تنگی اور خواہ بہ وسعت اور حسب استعداد اپنے مال
 کی زکاۃ نکالتے رہتے ہیں اس کم استعدادی میں توفیق ایسے
 امور خیر کی ایسے ہی مردانِ خدا کا کام ہے، آپ نے ہمراہ اپنے
 برادر مرحوم کے ہندستان سے ہجرت کی اور مکہ معظمہ میں
 توطن اختیار کیا، جب تک شاہ جہاں آباد میں رہے گوشہ
 عزلت میں پابدا من رہتے تھے اور اپنا روزگار کی طرف کبھی
 رجوع نہ رکھتے تھے اور یہی حال ہے اس بلاد میں کہ کچھ وجہ
 قلیل میں جو کسی کسبِ حلال سے بہم پہنچتا ہے اپنی اوقات
 گزر کرتے ہیں اور اوقات شبانہ روزی کو عبادتِ خالق زمین
 و آسماں میں بسر کرتے ہیں حق جل و علا ایسے زبدہ اہالی روزگار
 کو تادیر سلامت رکھے کہ اپنے خاندانِ عالی شان کے یادگار
 ہیں آمین یا رب العالمین۔“

سر سید نے جو کسی کسبِ حلال کا ذکر کیا ہے اس کی وضاحت مقالات
 طریقت کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ لہ

”کہتے ہیں کہ مکان میں فرصت کے وقت ریشم کھولا کرتے تھے۔“
 شاہ عبدالعزیز کے ایک ملفوظ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ محمد یعقوب روزانہ
 ایک سيارہ دو بار پڑھا کرتے تھے۔ اس طرح ایک ماہ میں دو بار بیک وقت قرآن
 مجید ختم کرتے تھے۔ لہ

میاں یعقوب فرزند من... در... میرے بیٹے میاں یعقوب روزانہ رات

لہ مقالات طریقت ص ۲۳۳۔ ۲۴ ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۱۱۱ مطبوعہ میرٹھ۔

ہر شب یک پارہ در مدرسہ خواندہ باز
درخانہ مع جماعت ہوں پارہ فی خواند
تا کہ معاد و قرآن شریف پس و پیش یک
روز ختم می کنند۔
کو ایک سی پارہ باہر مدرسے میں پڑھتے
ہیں اور پھر گھر میں جماعت کے ساتھ ہی
پارہ پڑھتے ہیں اس طرح دو قرآن مجید
ایک دو روز کے آگے پیچھے ایک ماہ میں
ختم کرتے ہیں۔

ثقافت کہتے ہیں کہ استعداد ظاہر کا یہ حال تھا کہ کبھی کوئی آیت کے معانی بیان کرتے
تو وہ مضامین عالی بیان فرماتے کہ سامعین حیران و ششدر رہ جاتے پہروں وہی
بیان چلا جاتا، قوت باطن کا یہ حال کہ ادھر سبق حدیث شریف وغیرہ کا بھی ہو رہا
ہے، ادھر توجہ بھی جاری ہے یہ اس کو مانع وہ اس کو مزاحم نہیں، امانت داری ایسی
کہ یعقوب امین مشہور تھے، سکندر شاہ دہلوی کہتے ہیں کہ "ایک شخص آپ کے پاس
دو سو قرص مسی امانت لایا اور کہا یہ رکھیے، آپ نے فرمایا الماری میں رکھ دو اس
نے نام نشان اپنا کر دیا، آپ نے نام لکھ کر دھریا، ایک مدت کے بعد اگر
اس نے طلب کیا آپ دیدے (آپ نے دہریا) کہا کہ کھول کر بتائیے فرمایا
کہ تم نے بھی کھول نہیں بتلایا تھا، جس طرح رکھا تھا اسی طرح رکھا ہوا ہے، وہ
تکرار کرنے لگا اور کہا کہ یہ تو قرص ہیں میں تو ریاں رکھا تھا (رکھے تھے) آپ نے
فرمایا جو آپ نے رکھا تھا وہی ہے، خیال نہ رہا ہوگا، خوب یاد کیجئے پھر اس
نے (وہ) اسی طرح تکرار کرنے لگا، آپ نے اس کو ایسا ہی آہستہ آہستہ اور نرمی
سے تین بار سمجھایا جب دیکھا وہ نہیں مانتا تو مکان سے جا کر دو سو ریاں لا کر دیا
(دیئے) اور فرمایا کہ یہ بھی لے جاؤ خیر مجھ کو سہو ہوا ہوگا، مگر کسی وجہ سے چین
بجہیں نہ ہوئے۔" لہ

حضرت کی عائلی زندگی کی تفصیل دست یاب نہیں ہوئیں، صرف یہ معلوم ہوا
ہے کہ وصال کے وقت آپ کی دختر، داماد مرزا امیر بیگ اور نواسے مولوی خلیل
الرحمان صاحب موجود تھے، امیر الروایات میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے

۱۔ مقالات طریقت ص ۲۲ مولف کی زبان و محاورہ دکھنی ہے ۲۔ مقالات طریقت ص ۲۲۔

۱۲۳
بیان کردہ ایک واقعہ میں مولوی محمد یعقوب کے داماد مرزا امیر بیگ، کا ذکر آیا ہے اس پر مولانا اشرف علی تھانوی نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ میں نے بھی والد مرحوم کے ہمراہ مکہ معظمہ میں ان کی زیارت کی تھی۔

مقالات طریقت ۱۸۷۴ء میں تالیف کی گئی تھی، اس وقت تک مولوی خلیل الرحمن بقید حیات تھے، اس پورے سو سال میں اس نسل سے کون کون اٹھا، ان آنے والوں کو رحیمی، ولی اللہی اور عزیز ذی دماغ اور سیرت و کردار سے کتنا حصہ ازانی ہوا، رحیمی مسند درس کسی نہ کسی شکل میں اب بھی آباد ہے یا نہیں؟ تلقین و ارشاد کے خاکستر میں کوئی چنگاری اب بھی باقی ہے یا نہیں؟ کاش کسی ذریعے سے یہ معلوم ہو سکے! مؤلف مقالات طریقت نے حاجی حافظ کریم بخش سے روایت کی ہے کہ شاہ یعقوب نے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا یہ قول نقل فرمایا تھا کہ ہماری اولاد مکہ معظمہ میں جا بسے گی اور حضرت امام مہدی سے ملے گی۔ اس پر مؤلف لکھتے ہیں سبحان اللہ حضرت کی آل مولانا مولوی عبدالرحمن صاحب نواسے شاہ حضرت اسحاق کے اور جناب مولوی خلیل الرحمن صاحب سلمہا نغالی نواسے مولانا یعقوب صاحب رحمہ اللہ نغالی کے اب حاضر ہیں، دوسری بات (القاء امام مہدی) پر بھی خدائے جل و علا قادر ہے، ۱۲۷

شاہ صاحب کے وصال کی تفصیل یوں بیان کی گئی ہے ۱۲۷
سکندر شاہ صاحب کہتے ہیں کہ میں حضرت کی تجہیز و تکفین میں حاضر تھا، یہاں تک کہ اپنے ہاتھوں سے میں اور امیر بیگ صاحب اور عبدالرحیم تکیہ سازاد نعمت خاں حضرت کے خادم خاص نے قبر میں اتارا سے، جمعہ کے دن بھی نماز صبح آپ نے تیمم سے ادا کی اور اشراق و چاشت بھی پڑھی، دوپہر ڈھلے جب حرم محترم میں اذان ہوئی اسی وقت روح پر فتوح جانب ملا، اعلا پرواز کی نعم کی نماز کے بعد جنت المعلیٰ میں حسب وصیت آپ کی بی بی کی قبر کے قریب مزاریر الوار مولانا اسحق صاحب قدس سرہ کو دفن کیا گیا، جنازے کی نماز

کی کثرت ہوئی کہ تمام حرم کی دوکانیں بند ہو گئیں کھڑے رہنے کو بدشواری
 جائے (جگہ) ملتی تھی، حرم شریف سے جنت المعلات تک اتنی خلقت تھی کہ
 قدم اٹھانا مشکل تھا، جنازے کو ہاتھ نہیں پہنچتا تھا، ہزار ہا عرب بوسے
 لے رہے تھے، جس قدر امانتیں کہ تھیں سب لکھوادیں اور فرمایا کہ تیس
 ریاں تقری میرے تکیے کے تلے ہیں، اس سے بھیز و تکفین ہووے کچھ دھوم دھام
 اور تکلف ضرور نہیں، اس طرح عمل ہوا، حافظ سورتی مہتمم مساجد بھوپال نے
 آپ کی تاریخ وصال اس آیت کریمہ سے نکالی ہے۔ الا ان اولیاء اللہ لا خوف
 علیہم ولا ہم یحزنون۔

شاہ مخصوص اللہ

فرزند شاہ رفیع الدین، مدرسہ رحیمیہ کے عالی مرتبت مدرس، شاہ عبدالغنی
فاروقی مجددی کے استاذ گرامی،

تعلیم و تربیت والد ماجد اور دونوں چچاؤں سے حاصل کی، بیعت
شاہ عزیز سے سلسلہ قادریہ میں کی۔

عہد تعلم ختم کر کے اپنے آبائی دارالعلوم میں تفسیر و حدیث کے درس کا
منصب اختیار کیا اور طویل عرصہ تک اس فرض کو بحسن خوبی انجام دیتے رہے
شاہ محمد اسحاق کی ہجرت حرم کے بعد تدریس کے ساتھ مدرسہ کے اہتمام کا بار بھی
اپنے بھائی شاہ محمد موسیٰ کے ساتھ اٹھایا۔ ۱۹۶۷ء سے شاہ عزیز کی وفات تک
مسل ۲۵ رسال ان کے درس قرآن کی مجالس میں تلاوت قرآن مجید کرتے رہے

مولانا "بڑے صاحب کمال، علم ظاہر و باطن ہیں بے مثال تھے۔" (ص ۱۸)
مقالات طریقت) آپ کے اوقات ایسے مجموعے تھے کہ شاید سلف صالحین کے
زمرہ میں اولیا کرام کے اوقات ہوں گے۔" (ص ۳۴ حیات ولی طبع اول)
" ایک مدت دراز تک تعلیم و تدریس میں مصروف رہے..... آخر میں
گوشہ نشین ہو گئے اور اولیا کرام کی سی زندگی بسر کرنے لگے اور بجز عبادت
الہی اور تقوا کچھ کام نہ رہا۔" (ص ۵۸۶ واقعات دارالحکومت دہلی)

از بس کہ طبیعت عبادت دوست اور مزاج زہادت پرست واقع ہوا
ہے، ایک عرصہ ہوا کہ سررشتہ تدریس کو ہاتھ سے دے کر گوشہ نشین ہیں۔
(ص ۷۷ تذکرہ اہل دہلی طبع کراچی)

منشی محمد جعفر نقانیری نے سوانح احمدی میں شاہ مخصوص اللہ کو سید احمد

شہید کے مریدین میں محبوب کیا ہے، یہ افتر محض ہے، اس لیے کہ اس قول میں کوئی مؤرخ اس کا ہم نوا نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس مؤرخین نے انھیں اپنے عمّ عالی مقام شاہ عبدالعزیز کا مرید بتایا ہے جن کے سید احمد شہید بھی مرید تھے۔ پھر اس نے تو ان کے چچا شاہ عبدالغنی فرزند شاہ ولی اللہ کو بھی سید صاحب کا مرید لکھ دیا ہے جو سید صاحب کی ولادت کے صرف دو ڈھائی سال بعد وفات پا گئے تھے، گویا شاہ عبدالغنی نے رائے بریلنی جا کر گہوارے میں سید صاحب سے بیعت کی تھی، اور یہی نہیں اس نے شاہ عبدالعزیز کو بھی سید صاحب سے بیعت ہونے کا متمنی اور آرزو مند بتایا ہے۔ تابدیگر ال چہ رسد!

اس افراد پر مستزاد یہ کہ موصوف نے سید صاحب کے حادثہ شہادت کے ایک سال بعد اس عالم آب و گل میں پہلا سانس لیا تھا۔ اور حادثہ کے ۶ سال بعد سوانح احمدی تالیف فرمائی تھی۔

شاہ مخصوص اللہ، سید احمد صاحب کے مرید ہونے کے بجائے ان کی جماعت کے اساطین شاہ محمد اسماعیل اور مولوی عبدالحمیٰ بڈھالوی کے وہابیانہ رجحانات کے شدید مخالف تھے، انھوں نے تقویت الایمان کے جواب میں معبد الایمان لکھی تھی، وہ جامع دہلی کے تادیبی مناظرہ کے نہ صرف شریک بلکہ پُر جوش فریق تھے۔ اس مناظرہ کے آغاز ہی میں جب مولوی عبدالحمیٰ نے دریافت کیا کہ

”تم لوگ یہاں کیوں آئے ہو؟“

تو شاہ مخصوص اللہ نے جواب دیا تھا۔

”ہم بموجب حکم خدا کے آئے ہیں کہ حق ظاہر ہو جائے۔“ پھر

جب مناظرہ کے ۱۳ ویں سوال (بدعت) پر گفتگو شروع ہوئی کہ

بدعت جستہ بھی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ تو مولوی عبدالحمیٰ نے

کہا تھا ”اصل ہر بدعت کی بد ہوتی ہے۔“

۱۔ سوانح احمدی طبع کراچی ۱۵۵ و ۲۹۵ ۲۔ ایضاً ص ۱۲۱

۳۔ تہافت الوبابیہ از مفتی عبدالحمید اگرہ ص ۲۔ سیف ابجبار از مولانا فضل رسول بدایونی ص ۴۵۔

اس پر مولانا مخصوص اللہ نے پوچھا کہ جس بدعت کی وجہ حسن و قبح ظاہر نہ ہو وہ کیا ہے۔ اس کے جواب میں مولوی عبدالحی نے کہا سید، شاہ مخصوص اللہ نے کہا: ”اس تقدیر پر بدعت اور مباح میں فرق کیا ہے؟“ اس سوال پر مولوی عبدالحی ساکت ہو گئے۔

منشی تنہا نیسری نے غالباً شاہ مخصوص اللہ کی قلمی و عملی سرگرمیوں کی توجیہ کے لیے تحریر فرمایا ہے کہ یہ ”بزرگ آخر میں مجنون ہو گئے تھے“ مطلب یہ ہے کہ مرید ہونے کے باوصف ان کی تحریک کے خلاف یہ سرگرمیاں اور یہ جوش و جذبہ بر بنائے جنون و اختلالِ حواس تھا، گویا جو کام صحتِ دماغ کا ثبوت اور ثباتِ عقل و ہوش کا نشان ہے وہی منشی تنہا نیسری کی نظر میں جنون ٹھہرا اور ہمیں حسرت کا مصرع یاد دلایا گیا۔

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد

شاہ مخصوص اللہ کا وصال ۱۳ ذی الحجہ ۱۲۶۱ھ (۵ - ۱۸۵۶ء) کو ہوا۔ اپنے آبائی مقبرے مہندیلوں میں دفن کئے گئے۔

اس خاندان کی تاریخ اب تک اہل حدیث کے ہاتھ میں رہی ہے، اس لیے شاہ مخصوص جیسے بزرگوں کے سوانح حیات کے بیش تر گوشے ظلمت میں ہیں، کہاں عقد ہوا تھا، جسمانی یادگاریں کتنی چھوڑیں؟ کوئی تفصیل بھی معلوم نہ ہو سکی بس مولوی بشیر الدین نے مہندیوں میں مدفونین کی فہرست میں شاہ مخصوص اللہ اور ان کی اہلیہ کو بھی شمار کیا ہے۔

۱۔ سیف الجبار ۵۲، ۵۳ سوانح احمدی ص ۲۹۵، ۳۳ الیانغ الجنی (محمد بن یحییٰ المحسن الترمذی ص ۶۰) طبع دہلی و متحدہ قادی عزیزی ص ۱۲۔

شاہ محمد موسیٰ دہلوی

شاہ رفیع الدین کے فرزند گرامی شاہ محمد موسیٰ، ولی اولیٰ خاندان کے متاخرین میں ایک نمایاں شخصیت تھے۔
 آپ کا سن ولادت تو نظر سے نہیں گزرا لیکن امیر الروایات میں یہ روایت درج ہے کہ آپ عمر میں شاہ محمد اسماعیل سے بڑے تھے اس لیے آپ ۱۱۹۳ھ سے قبل پیدا ہوئے ہوں گے جو شاہ محمد اسماعیل کا سن ولادت ہے۔
 علوم ظاہر و باطن کی تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد اور عمین مکر میں سے حاصل کی اور اپنے اسلاف کی شہرہ آفاق درس گاہ میں تدریس کی خدمت انجام دینے لگے۔
 شاہ عبدالعزیز کے وصال (۶۱۸۲۳) کے بعد مدرسہ رحیمیہ کا نظم ان کے نواسے اور جانشین شاہ محمد ابحق نے سنبھال لیا تھا، ان کی ہجرت حجاز (۱۲۵۸ھ) کے بعد شاہ محمد موسیٰ پر تدریس کے ساتھ نظم کا بار بھی آپڑا جسے یہ حتی الوسع نبھاتے رہے۔
 تا آن کہ تقریباً ستر سال کی عمر میں ۱۲۵۹ھ (۶۱۸۲۳) کو اس جہاں سے اُس جہاں میں جا بے اور مدرسہ رحیمیہ کی تقریباً ڈیڑھ سو سالہ تاریخ کا آخری ورق لوٹ دیا گیا۔

۱۔ امیر الروایات (حکایات اولیاء) طبع کراچی ص ۸۶

شاہ محمد موسیٰ کے وصال کے بعد ان کے صغیر السن صاحب زادے میاں عبد السلام اور ایک صاحب زادی ان کی یادگار رہ گئے تھے، میاں عبد السلام کسی بزرگ اور سرپرست کے نہ ہونے کی بنا پر حصول علم کی دولت سے محروم رہ گئے اور یوں ایک مرکز علم و حکمت سے علم و حکمت کا سلسلہ منقطع ہو گیا، بلکہ نہ جانے کن اسباب کی بنا پر نسل ہی تقریباً منقطع ہو گئی اور ۱۹۱۹ء میں مولوی بشیر الدین احمد دہلوی نے "واقعات دارالحکومت" تالیف کی: تو اس خاندان میں سوائے ایک خاتون عفت مآب کے کوئی نام لیوا اور پانی دیوانہ رہا تھا۔

شاہ محمد موسیٰ اور ان کی صاحب زادی اپنے مقبرہ اسلاف ہند یوں میں بخواب

ہیں لہ

وہابیت کے رو میں دو رسالے آپ کی یادگار ہیں۔ مگر دونوں غیر مطبوعہ ہیں (۱) حجت العلیٰ فی ابطال الجہل، فارسی زبان میں۔ یہ رسالہ ۴۰ اوراق (۱۲۰ صفحات) پر مشتمل ہے اور اختتام تالیف کی تاریخ ۱۷ ربیع الاول ۱۲۴۲ھ (۱۸۲۶ء) ہے پروفیسر محمد ایوب قادری فرماتے ہیں کہ یہ رسالہ ان کی نظر سے گزرا ہے، مولانا فیض احمد بدایونی نے اپنے رسالہ فیض غام میں اس رسالے کے تقریباً تین صفحات نقل کیے ہیں۔ لہ مولانا بدایونی کا بیان ہے کہ شاہ محمد موسیٰ نے ایک رسالہ "در تحقیق استعانت" بھی لکھا تھا لہ

ملفوظات شاہ عبد العزیز میں دو مختلف مواقع پر شاہ محمد موسیٰ کے سوال اور شاہ عزیز کے جواب درج ہیں، ان میں سے پہلا سوال یہ ہے کہ جسد بے روح پانی پر تیرتا رہتا ہے اور زندہ جسم نہ آب بیٹھ جاتا ہے، حالاں کہ روح ایک لطیف ترشے ہے، یہ کیوں؟ شاہ عزیز کے متوقع جواب سے قطع نظر، شاہ موسیٰ کا یہ سوال کرنا بڑا ہی افسوسناک اور ندامت انگیز ہے، کیوں کہ یہ سوال ہمارے قدیم نصاب تعلیم کے ایک اہم نقص کو ظاہر کرتا ہے۔ اور ہمارے علماء کی علوم طبعیہ سے ناواقفی اور بے تعلق

۱۔ واقعات دارالحکومت دہلی ص ۵۹ حصہ دوم، اگرہ ۱۹۱۹ء ص ۲ ترجمہ تذکرہ علماء ہند ص ۵۹

۲۔ رسالہ فیض غام ص ۱۲۱ لہ ایضاً (۵) ملفوظات ص ۲۵

کا پردہ در ہے، جدید نصاب ہزار نقائص کے باوصف اس باب میں اس قسم کے نقائص سے پاک ہے اور ایک میٹرک کا طالب علم بھی اس سوال کے صحیح اور ثنائی جواب سے واقف ہوتا ہے۔

دوسرے سوال کا جواب خاندان رحیمی کے تبرکات کے سلسلے میں ہمارے علم میں اضافہ کرتا ہے، شاہ موسیٰ نے دریافت کیا تھا کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کون سا خط رائج تھا؟ شاہ عزیز نے جواب دیا کہ خط عقیلی رائج تھا، پھر حضرت علیؓ نے خط کوفی ایجاد کیا، چنانچہ میرے پاس حضرت علیؓ کے ہاتھ کی جتنی تحریریں ہیں اور حضرت امام حسنؓ کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید جو مسجد (۱) میں ہے خط کوفی میں ہے لہٰذا شاہ صاحب کے اس ارشاد میں مسجد سے مراد اگر مدرسہ رحیمیہ کی مسجد نہیں بلکہ جامع مسجد یا کوئی اور مسجد ہو تو بھی حضرت علیؓ کی تو کئی تحریروں کو شاہ صاحب نے خود اپنی ہلک فرمایا ہے، سوال یہ ہے کہ یہ تحریریں اور دوسرے نوادر اور تبرکات اب کہاں ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں شاہ محمد اسحق نے اپنی ہجرت حرم کے وقت اگر یہیں چھوڑ دی تھیں، تو کس کے پاس؟ اور اس سے پھر کس کے پاس منتقل ہوتی رہیں؟ اور اگر ساتھ لے گئے تھے اور یہی قرین قیاس ہے، تو اب یہ سب چیزیں کہاں ہیں؟ کسی ایک شخص کے پاس محفوظ ہیں؟ یا کسی دور میں تقسیم ہو گئیں؟ اگر ایک جا متفرق طور پر محفوظ ہیں تو اہل اور قدر شناس اور مرتبہ دار حضرات کی ہلک میں نہ یا ہماری بد قسمتی سے معاملہ اس کے برعکس ہے؟ شاہ اسحق کے نواموں عبداللہ اور عبدالحکیم (فرزند ان مولوی نصیر الدین دہلوی) اور عبدالرحمن (فرزند شاہ محترم اللہ) اور شاہ محمد یعقوب کے داماد مرزا امیر بیگ اور نواسے مولوی خلیل الرحمن کا قرن ماضی کے اواخر تک پتہ چلتا ہے، ان حضرات کے اخلاف اب بھی حجاز میں ہوں گے، یہ تو ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی بھی اب علم و فضل سے بہرہ یاب نہ ہو، مگر یہ کیا ضرور ہے کہ یہ سب لوگ دنیاوی و مادی حیثیت سے بھی بے حیثیت اور گم نام ہوں دہلوی محدثین کے ارادت مندوں میں سے جو حضرات حج و عمرہ کی توفیق پاتے

میں وہ اگر اپنے دورانِ قیام حرمین شریفین میں ان حضرات کی بھی تلاش کر سکیں، اور ان نوادر اور تبرکات کے متعلق بھی معلومات کر سکیں تو صرف خاندانِ رحیمی کی بلا علم دین کی بھی اہم خدمت ہوگی۔

شاہ عبدالعزیز اور ان کے بھائیوں کے اخلاف و تلامذہ میں فکر و نظر کے اختلاف اور مذہب و مسلک کے تعدد نے دو گروہ پیدا کر دیے تھے۔ ایک گروہ جس کے سربراہ شاہ محمد اسماعیل شہید تھے شخص معین کی تقلید کے وجوب کا منکر اور کسی حد تک محمد بن عبدالوہاب نجدی کا ہم نوا تھا اور دوسرا گروہ شاہ عبدالعزیز کے مسلک کا متبع حنفیت پر مشتمل و مصر "حکم بالکفر والشک" کے باب میں محتاط تھا، مختصر یہ کہ جادۂ اعتدال سے منحرف نہیں ہوا تھا، شاہ محمد موسیٰ اسی دوسرے گروہ کے حامی و ناصر تھے۔ سلام فضل حق خیر آبادی نے جو حزبِ عزیزی کے گویا قائد و نقیب تھے۔ شاہ محمد اسماعیل کے متشددانہ افکار و نظریات کے رو میں سبقت کی اور محقق الفتویٰ ذوالہل الطغری کے نام سے ایک مفصل رسالہ میں دلائل عقلی و نقلی کے ساتھ شاہ شہید کا رد کیا تو اس کے آخر میں جن ولی اللہی اور عزیزی علماء و فضلاء کے دست خط تھے، ان میں شاہ محمد موسیٰ بھی تھے، پھر یہ اختلاف ان دونوں گروہوں کو شاہ جہاں کی مسجد جامع میں منعقد ایک مجلس مناظرہ میں لے گیا تو اس میں بھی شاہ موسیٰ سرگرم نظر آتے ہیں ۱۲۴۰ھ (۱۸۲۴ء) کو مسجد جامع میں جو مجلس مناظرہ برپا ہوئی تھی مولانا فضل رسول بدایونی نے اس کی مفصل روداد قلم بند کر کے اوراقِ تاریخ میں محفوظ کر دیا ہے۔ اس مناظرہ میں شاہ موسیٰ اور مولوی عبدالحمیٰ بڑھانوی کے درمیان یوں مکالمہ ہوا تھا:-

”مولوی موسیٰ نے کہا کہ تم ہمارے استادوں کو برا کہتے ہو، بولے (مولوی عبدالحمیٰ) کہ میں نہیں کہتا“ مولوی موسیٰ نے کہا کہ یہ ایسے نئے مسئلے بناتے ہیں کہ ان سے بُرائی استادوں کی ثابت ہوتی ہے۔ پوچھا کہ وہ کیا

ہے؟ کہا کہ ”مثلاً“ قبر کے بوسے کو شرک کہتے ہو اور
 ہمارے اکابر اس کے مباشر ہوتے تھے مولوی عبدالحمی
 نے انکار کیا، کسی نے کہا کہ لکھ دو تاکہ تمہارے اوپر جھوٹ
 باندھنے والوں کی تکذیب ہو جائے، مولوی عبدالحمی
 نے کانپتے ہاتھوں سے لکھ دیا۔ ”بوسہ دہندہ قبر مشرک
 نیست۔“

مولوی سید ظہیر الدین احمد ولی اللہی

خاندان رحیمی کے متاخرین میں سے مولوی سید ظہیر الدین احمد کو ان کی متعدد خدمات کی بنا پر ایک اہم اور قابل ذکر مقام حاصل ہے، انھوں نے سب سے زیادہ قابل تحسین و لائق قدر کام تو یہ کیا کہ مدرسہ رحیمیہ کی ۴۴ سال کے بعد تجدید کی دوسری اہم خدمت یہ انجام دی کہ اپنے خاندان کی ادبیات کی اشاعت کے لیے ایک مکتبہ اور طباعت کے لیے ایک مطبع جاری کیا، تیسری نتیجہ خیز کوشش یہ کہ ان حضرات کے خلاف ایک مہم چلائی جو شاہ ولی اللہ اور ان کے جانشینوں کی طرف ان کتابوں کو منسوب کر رہے تھے جو درحقیقت ان کی نہیں تھیں۔

ایک طرف مولوی صاحب کی یہ خدمات اور دوسری طرف ان کی گم نامی کا یہ عالم کہ کسی تاریخ کسی تذکرے کسی سوانح عمری میں آپ کو مولوی صاحب کا نام نہیں ملے گا۔ ۱۸۹۳ء میں مطبع مجتبائی دہلی سے فتاویٰ عزیز طبع ہوئی ہے، اس پر کوئی مرزا محمد بیگ دہلوی ہیں، انھوں نے مقدمہ لکھا ہے جس میں اس خاندان کے سب لوگوں کا ذکر ہے۔ چنانچہ مولوی صاحب کے والد مولوی معز الدین کا بھی ذکر ہے اور لکھا ہے کہ ان کے علاوہ شاہ رفیع الدین کے اخلاف میں سے اب کوئی

نہیں پایا جاتا حال آں کہ یہ ٹھیک دہی دور ہے جب مولوی سید احمد مدرسہ رحیمیہ کی تجدید کر چکے تھے اور اپنے خاندان کی کئی کتابیں شائع کر چکے تھے۔ اسی طرح مولوی رحیم بخش دہلوی نے حیاتِ عزیز اور حیاتِ ولی (۱۹۰۰ء میں) تالیف کیں مگر مولوی صاحب کا نام بھی لیٹنے سے گریز کیا ہے، اس سے بھی زیادہ حیرت ناک بات یہ ہے کہ مولوی سید عبدالحمی ۱۸۹۴ء میں دہلی میں ان سے ملے تھے اور اپنے سفر نامے میں ان کا اور ان کے کارناموں کا ذکر کیا ہے، مگر نہ بہت الخواطر میں جو ان کے تذکرہ کا اصل محل تھا انہیں بھول گئے ہیں۔

حقیقت میں مولوی صاحب سے جرم بھی ایسا ہی سرزد ہوا تھا، انھوں نے اپنے بزرگوں کی طرف منسوب جعلی کتابوں کی نشان دہی کی تھی، اس جرم کی سزا یہی تھی کہ ان کو گم نام کر دیا جائے، ہمارے یہاں ایک غیر معمولی اور خفیہ تنظیم یہ سزا بہتوں کو دیتی رہی ہے اور میرے علم اور مطالعہ کی حد تک ان کی سزا کا کوئی "تزیاق" نہیں ہے جس کو انھوں نے بھلانا، اوجھل کرنا اور گم نام کرنا چاہا پھر اسے کوئی یاد نہیں کر سکتا، مولوی سید احمد کو بھی یہی تنظیم کھا گئی، نہ کسی مسافر نے اپنے سفر نامے میں ان کا ذکر کیا ہے، نہ کسی تذکرہ نگار نے، دہلی کی اس دور کی شخصیات میں ان کا نام یا ہے نہ کسی مولف نے اپنے ماخذ میں ان کی کتابوں کا ذکر کیا ہے، حالاں کہ وہ ایک عالم تھے، متعدد علمی و دینی کتابوں کے ترجمے کئے، ادبیاتِ شاہی کے ناشر تھے۔ دہلی پر "یادگار دہلی" جیسی اہم کتاب کے مولف تھے۔ بہر حال مولوی صاحب کے جس قدر حالات بھی دانہ دانہ کر کے فراہم ہوئے ہیں۔ پیش خدمت ہے۔

مولوی صاحب شاہ رفیع الدین کے نواسے کے پوتے تھے۔ شاہ رفیع الدین کی صاحب زادی امۃ اللہ زوجہ سید نجم الدین تھیں، ان کے دو صاحبزادے تھے، ایک مولوی سید نصیر الدین دہلوی جنھوں نے مشہد بالا کوٹ کے بعد ہنگامہ جہاد کو تازہ کیا اور سرحد ہی میں وفات پائی (۱۸۴۰ء) دوسرے صاحب زادہ سید ناصر الدین تھے، ان کے صاحب زادے مولوی معز الدین تھے، جن کے متعلق مرزا محمد بیگ کہتے ہیں احوال

لہ دہلی اور اس کے اطراف ص ۶۴ (مابعد)

مولوی معز الدین صاحب از بینزگان شاہ رفیع الدین دیگرے یافتہ نعی شود حق تعالیٰ
در عمر وے برکت دہا۔ لہ ان مولوی معز الدین صاحب کے صاحب زادے مولوی
سید احمد تھے۔

مولوی صاحب کے سن ولادت کا علم نہیں مگر قرن چہار دہم کے آغاز کے ساتھ ہی
وہ ادبیاتِ شاہی کی اشاعت کا کام شروع کر چکے تھے، اس سے اندازہ ہوتا ہے
کہ وہ غدر ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء کے قریب پیدا ہوئے ہوں گے جب ہی وہ تعلیم و تربیت
سے فراغت حاصل کر کے ۲۵/۲۰ سال کی عمر میں اس قابل ہوئے ہوں گے کہ بزرگوں
کے کارناموں کو زندہ کرنے کا ولولہ پیدا ہو اور اپنے منصوبوں کی تشکیل کر سکیں، چنانچہ
انہوں نے ایک مکتبہ جسے انہوں نے اس دور کے مطابق ”دوکانِ اسلامیہ“ کا نام دیا تھا
اور ایک پریس جس کا نام شاہ ولی اللہ کے نام۔ احمد۔ پر مطبع احمدی سے موسوم کیا تھا
جاری کئے۔ مطبع غالباً قرن چہار دہم کے بالکل آغاز میں قائم کر دیا تھا۔ کیوں کہ اس
مطبع کی مطبوعات میں سے جن کتابوں پر سن طباعت کا اندراج ہے، ان میں پہلی
کتاب ”مجموعہ ارشاد و اوائل وغیرہ“ ہے جو ۱۳۰۷ھ/۱۸۸۹ء میں طبع ہوئی اور دوسری
کتاب ”فیوض الحرمین“ ہے جو ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۱ء میں طبع ہوئی اور اس کتاب کے آخر میں
اپنی ۱۱ مطبوعات کی فہرست و تفصیل دی ہے۔ ظاہر ہے کہ گیارہ کتابیں کم سے کم ۵/۴
سال میں طبع ہو سکی ہوں گی، اسی لیے ہم یہ قیاس کر رہے ہیں، مولوی صاحب نے
۱۳۰۲ھ/۱۳۰۱ھ میں یہ مطبع قائم کر لیا ہوگا۔

اس مطبع کی سب سے آخری کتاب جس کا ہمیں علم ہے حسن الاقتباس ہے جو
۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں طبع ہوئی تھی، اس طرح یہ مطبع تقریباً ۲۰ سال تک جاری رہا،
اور اس عرصہ میں اس کی ۲۵ مطبوعہ کتابیں ہمارے علم میں آئیں اور نظر سے گزری
ہیں۔ خیال ہے کہ یہ تعداد زیادہ ہی ہوگی، ان ۲۵ میں سے دو کتابیں خود مولوی صاحب

لہ مقدمہ فتاویٰ عزیزی ص ۳۱ یہ مقدمہ ۱۸۹۳ء میں چھپا ہے اس کے ٹھیک ایک سال بعد صاحب

تربتہ الخواطر نے آستانہ شاہی پر حاضری دی ہے تو بزرگ خاندان کی حیثیت سے مولوی معز الدین کے بیٹے

مولوی سید احمد ہی ان سے ملے تھے، ممکن ہے ۱۸۹۲-۹۳ء کے درمیان انتقال ہو گیا ہو۔

کی تالیف ہیں (۱) یادگار دہلی (۲) حالاتِ عربیہ۔ ایک کتاب (۳) الدر الثمین از شاہ ولی اللہ مولوی صاحب کی ترجمہ کی ہوئی ہے اور انہوں نے ترجمہ کے آغاز میں خود وضاحت کی ہے کہ یہ ترجمہ انہوں نے کیا ہے۔ لکھتے ہیں ۱۵

”کتاب در شہین جب اس کم ترین سید
ظہیر الدین عرف سید احمد ... کی نظر سے گزری ...
اس کا اقتضا ہے کہ جو اجاب میرے ہم زبان اور
لسان بہرور کون و مکاں سے نا آگاہ ہیں اس تحفہ
میں وہ بھی میرے شریک ضرور ہوں اس لئے
اس کا اردو ترجمہ مناسب جانا۔“

بقیہ کتابوں میں سے ۶ کتابیں بھی مترجم ہیں مگر ان کے مترجم کے نام کی وضاحت نہیں ہے کہ مولوی صاحب ہی ہیں یا کوئی اور عالم، ایک کتاب (تحقیق الروایا از شاہ عبد العزیز) کے متعلق تو یہ بھی وضاحت ہے کہ مولوی صاحب نے اس کا ترجمہ کیا نہیں بلکہ کسی سے کروایا ہے اور معاوضہ دے کر روایا ہے، لکھتے ہیں ۱۶

.... مگر ساتھ ہی یہ بھی خیال تھا کہ اگر اردو میں ترجمہ
بھی ہو جائے تو بہت خوب ہے اللہ تعالیٰ کا
لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے کمال فضل سے میری آرزو
پوری کی اور مجھ کو اس کے ترجمہ کرانے اور اس پر
روپیہ صرف کرنے کی اور پھر طبع کرنے کی توفیق دی ..

مطبع احمدی کی ان ۲۵ مطبوعات کی فہرست درج ذیل جو ہماری نظر سے گزری
ہیں یا معتبر حضرات نے ان کا ذکر فرمایا ہے۔

(۱) - الطاف القدس ترجمہ

(۲) - سطعات مع الجزر اللطیف

(۳) - مکتوبات مع فضیلت امام بخاری وابن تیمیہ

۱۵ الارالثمین مترجم ص ۲ مطبع احمدی دہلی ۱۶ تحقیق الروایا ص ۲ مطبع احمدی

- (۴)۔ سعادت کونین ترجمہ فیوض الحرمین، سال طباعت محرم ۱۳۰۸ھ
- (۵)۔ الدر الثمین مترجم
- (۶)۔ مجموعۃ الارشاد وادائل و تراجم ابواب بخاری وما یجب حفظہ الناظر ۱۳۰۷ھ
- (۷)۔ تاویل الاحادیث مترجم۔
- (۸)۔ ہوامع
- (۹)۔ وصیت نامہ مع رسالہ دانش مندی مترجم۔
- (۱۰)۔ مجموعۃ فتاویٰ شاہ عبدالعزیز
- (۱۱)۔ عجالہ نافذ
- (۱۲)۔ حسن العقیدہ (اعتقاد نامہ) مترجم
- (۱۳)۔ انفاس العارفين
- (۱۴)۔ مکتوب مدنی
- (۱۵)۔ انتباه فی سلاسل اولیاء اللہ
- (۱۶)۔ تکملہ ہندی
- (۱۷)۔ تکملہ یونانی
- (۱۸)۔ انفاس رحیمیہ (مرتبہ شاہ اہل اللہ)
- (۱۹)۔ مجموعہ رسالہ شاہ رفیع الدین
- (۲۰)۔ عزیز الاقباس ترجمہ مولوی نظام الدین کیرانوی ۱۳۲۲ھ / ۶۱۹۰۴
- (۲۱)۔ مناقب فخریہ، مولفہ نواب غازی الدین خاں مرحوم ۱۳۱۵ھ / ۶۱۸۹۸
- (۲۲)۔ یادگار دہلی مولفہ مولوی سید احمد
- (۲۳)۔ حالات عزیز
- (۲۴)۔ تحقیق الروایا
- (۲۵)۔ ارشاد رحیمیہ ۱۳۲۱ھ / ۶۱۹۰۳ یہ مطبع پہلے اپنے مکان میں قائم کیا تھا اور پتہ "عقب کلاں محل" لکھا جاتا تھا، اس کے بعد محلہ دریہ کلاں کی دوکان ۱۷۹۱ میں منتقل ہو گیا تھا۔

مولوی سید احمد کا دوسرا اہم اور قابلِ قدر کام اپنی قدیم خاندانی
مدرسہ عزیز بری درس گاہ کی تجدید تھا۔ یہ مدرسہ غالباً ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء میں قائم کیا
 تھا۔ اور ۴۳ سال سے زیادہ نہ چل سکا ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۵ء میں جب صاحبِ نزہتہ الخواطر
 ان سے ملے تھے، یہ مدرسہ بند ہو چکا تھا۔

مولوی صاحب نے کس و لولے اور جذبے سے یہ مدرسہ جاری کیا تھا، اس کا اندازہ
 اس کی اس تحریر سے ہوتا ہے جو انھوں نے فیوض الحرمین کے خاتمہ کے طور پر لکھی تھی لے

جب سے حضرت مولانا اسحاق صاحب محدث دہلوی
 بیت اللہ ہجرت فرما گئے اور مولوی محمد مخصوص اللہ
 خلف مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کا انتقال ہو گیا
 (۱۸۵۶ء) مدرسہ کہنہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس
 سرہ کا تھینا چالیس برس سے غیر آباد پڑا تھا۔ اگرچہ اولاد
 مولانا شاہ رفیع الدین صاحب ممدوح سے چند اشخاص
 جو وارث حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب اور حضرت مولانا
 شاہ عبدالعزیز صاحب کے تھے، مدرسہ موصوفہ میں بزرگسوت
 پذیر رہے مگر وجہ جاری نہ ہونے سلسلہ درس تدریس کے
 اکثر احباب اور متوسلین خاندان کو معلوم بھی نہ رہا کہ اولاد
 حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی ان کے قدیم مسکن و درس گاہ
 میں رہتی ہے۔ اس اثنا میں مکان (عمارت) مدرسہ بھی غلہ
 میں منہدم ہو گیا، بعد اس عرصہ معبودہ کے سبب الاسباب
 نے داعیہ تعمیر اور آبادی اس مدرسہ مذکورہ کا جو درحقیقت منبع
 علم دین ہندوستان میں ہے۔ اس کمترین کے دل میں ڈالا
 تو بعونہ تعالیٰ دن رات اس کی آبادی کی کوشش میں ہوں
 شب و روز مجیب الدعوات سے دست بدعا ہوں کہ اے

لے فیوض الحرمین مطبع احمدی ص ۱۳۸

قارضی الحاجات اس اجرٹے ہوئے چمن کو دوبارہ
 سرسبز کر دے اور یہ جو نام مفقود ہوا جاتا ہے اس
 کے باقی رہنے کی کوئی تدبیر کر اور اس میں سلسلہ درس
 و تدریس کا جاری کر! اور اس مدرسہ موصوفہ کا مثل
 اور مدرسوں اسلامی کے کہیں سے کچھ کفوف مقرر نہیں
 ہے اور خاص یہ شہر تو سرپرستی باہمی سے خدائی ہو گیا ہے
 اور میرے پاس اس قدر سرمایہ نہیں ہے کہ سلسلہ درس
 و تدریس کا شروع کروں اور طلبہ کی اعانت کر سکوں
 تو دل نے چاہا کہ اس خزانہ بے بہا کو جو عرصہ دراز سے
 محفوظ چلا آ رہا ہے نکالے اور حلیہ طبع سے حلا دے
 کر جو ہریان بازار معانی کو دکھائیے اور جو اس کا نفع
 ہو مدرسہ موصوفہ میں صرف ہو اور قدرے تردد ہر طرف
 ہوا تو اس کم ترین نے یہ چند رسالے کہنے نکال کر حلیہ
 طبع آراستہ کر کے ہدیہ شائقین کیے (اس کے بعد اپنی
 گیارہ مطبوعات کی فہرست دی ہے) اور ایک کتب
 خانہ اور مطبع برائے اعانت مدرسہ موصوفہ کے جاری
 کیا ہے....“

اس تحریر کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ مولوی صاحب نے ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء میں کسی
 نہ کسی پیمانے پر اور کم سے کم نام کی حد تک مدرسہ کی تجدید کی تھی۔
 مولوی صاحب نے اس مدرسہ کا نام مدرسہ عزیز رکھا تھا اور مطبع کو بھی وہ التوا
 کے ساتھ ”مطبع احمدی متعلق مدرسہ عزیز“ لکھتے ہیں، کتب خانے کا نام دوکان اسلامیہ
 تھا اور وہ اولاً گھر ہی پر تھا اور اس کا پتہ کلاں محل اور کبھی عقب کلاں محل لکھتے تھے
 (مثلاً سب سے پہلی کتاب الطاف القدس پر یہی پتہ لکھا ہے) مگر بعد میں دوکان ۱۵۰
 درمیہ کلاں کا پتہ شائع ہونے لگا۔

ابتداءً مولوی صاحب تنہا ہی یہ کاروبار چلا رہے تھے اور اپنے نام سے پہلے ہتھم

یا مالک مطبع احمدی دوکان اسلامیہ لکھا کرتے تھے، مگر چند سال بعد اشتہارات میں واحد کے بجائے تثنیہ کا صیغہ استعمال ہونے لگا اور مالک سے مالکان ہو گئے مولوی حسنا کے یہ شریک کار مولوی سید عبد الغنی کلیمی تھے۔ مولوی عبد الغنی غالباً ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء میں شریک ہوئے تھے کیوں کہ مولوی صاحب کے نام کے ساتھ ان کا نام پہلی بار انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ کے خاتمے میں آیا ہے جو ۱۳۱۱ھ میں طبع ہوئی تھی۔

مولوی سید احمد کی تیسری اہم خدمت یہ ہے کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے اسلاف کرام کی تالیفات شائع کیں بلکہ ایک اہم ان حضرات کے خلاف بھی چلائی جو اپنے افکار و نظریات کے لیے شاہ ولی اللہ اور ان کے ابناء کرام کا نام استعمال کر رہے تھے اور ان بزرگوں کی طرف وہ کتابیں منسوب کر کے شائع کر رہے تھے جو درحقیقت ان کی

علا خاندان ولی اللہی کا ہر خادم اس کا مستحق ہے کہ ہم اس کے احوال و سوانح کا تجسس کریں اور جہاں جہاں جو کچھ مل جائے اس کو جمع کر دیں، مولوی سید احمد سے بھی ہمیں ان کی انہی خدمات کی بنا پر عقیدت ہے اور مولوی سید عبد الغنی بھی ہم سے اس عقیدت سے واردت کے متقاضی ہیں۔ مگر افسوس کہ ہمیں صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ وہ مولوی سید احمد کے ہم شیر زادے اور مولوی سید محمد کے فرزند تھے۔ انہیں بیک وقت دورِ جہاں علم و تقویٰ، شاہ ولی اللہ اور شیخ کلیم اللہ سے نسبت تھی، اس لئے وہ اپنے نام کے ساتھ کلیمی ولی اللہی لکھا کرتے تھے اور شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی کی درگاہ کے متولی اور صاحب سجادہ تھے، چند سال اپنے ماموں مولوی سید احمد کے ساتھ بزرگوں کی تالیفات کی اشاعت میں شریک و ہمیں رہے اور مولوی سید احمد کے وصال کے بعد عرصے تک تنہا یہ خدمت انجام دیتے رہے، کئی رسائل و کتب کے دوسرے ایڈیشن شائع کیے مطبع احمدی بند کر دیا تھا اور دوسرے مطالع میں چھپواتے تھے۔ مولوی سید عبد الغنی کی شائع کردہ حسب ذیل کتابوں تک ہماری رسائی ہو سکی ہے (۱) تہنات حصہ اول (بار اول، ۲) سوار السبیل کلیمی (از شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی) (بار اول، ۳) فیصد وحدت وجود و شہود (بار دوم، ۴) فیوض الحرمین، (بار دوم، ۵) تحقیق الروایا (بار دوم، ۶) انتباہ (بار دوم، ۷) الدر الثمین (بار دوم)، اس کے حاشیہ پر شاہ اسحق کے مسلمات بھی شائع کیے تھے۔ مولوی سید عبد الغنی ۱۹۱۳ء تک جیات تھے، کیونکہ مولوی سید محمد امام عید گاہ شاہی دہلی نے اسی سال

۱۴۱
 نہیں تھیں یا ان کی کتابوں میں اپنی طرف سے اضافات کر رہے تھے، پہلے تاویل الاحادیث
 کے خاتمہ میں لکھا :-

” آج کل بعض لوگوں نے بعض تصانیف کو اس خاندان
 کی طرف منسوب کر دیا ہے اور درحقیقت وہ تصانیف
 اس خاندان میں سے کسی کی نہیں اور بعض لوگوں نے جو
 ان کی تصانیف میں اپنے عقیدہ کے خلاف بات پائی تو
 اس پر حاشیہ جڑا اور موقع پایا تو عبارت کو تغیر تبدیل
 کر دیا تو میرے کہنے سے یہ غرض ہے کہ جو اب تصانیف
 ان کی چھپیں اچھی طرح اطمینان کر لیا جائے جب خریدنی
 چاہئیں “

اس کے بعد انفاس العارفین کے آخر میں التماس ضروری کے عنوان سے لکھا :-

فی زمانہ دنیا زور و لا یمصلہما الا بالزور کو بعض حضرات
 نے کمر باندھی ہے اور دنیا کمانے کے واسطے حضرات
 موصوفین د خاندانِ رحیمی، کی طرف اکثر کتابیں منسوب
 کر کے چھاپ دی ہیں جو کسی طرح ان حضرات کی تصنیف
 میں سے نہیں ہیں اور ارباب بصیرت ان کو پڑھ کر ان
 کے عیب اور مفاسد کو اس طرح جان لیتے ہیں جس طرح
 ایک تجربہ کار نقاد کھرے کھوٹے کو کسوٹی پر لگا کر پہچان
 لیتا ہے مگر بفقو اسے العوام کا لالعام بیچارے اردو پڑھنے
 والے علم سے بے بہرہ لوگ اکثر ان جعلی اور مصنوعی
 رسائل کو پڑھ کر ضلالت اور گمراہی میں مبتلا ہو جاتے
 ہیں اس واسطے میرا فرض ہے کہ میں ان رسائل کے

اپنے صاحب زادے حافظ طاہر حسن کو اپنا جانشین بنایا تھا۔ اس تقریب میں دستار امامت
 مولوی سید احمد عبدالغنی نے باندھی تھی (الرحیم لاہور مارچ ۱۹۶۸ء سید رشید احمد ارشد)

نام اس کاغذ کوتاہ میں لکھ دوں اور اپنے دیندار بھائیوں کو ارباب زمانہ کی گندم نمائی و جو فروشی سے آگاہ کر دوں آگے اس پر عمل کرنا نہ کرنا ان کا فعل ہے۔

منت آں چہ حق بود گفتم تمام
تو دانی دگر بعد ازیں والسلام

اور وہ جعلی اور مصنوعی رسائل یہ ہیں :-

(۱) تحفۃ الموحدین مطبوعہ اکمل المطابع دہلی منسوب بہ طرف حضرت مولانا شاہ ولی اللہ

صاحب

(۲) بلاغ النبیین مطبوعہ لاہور (منسوب بہ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب)

(۳) تفسیر موضح القرآن، مطبوعہ خادم الاسلام دہلی۔ منسوب بہ طرف مولانا شاہ عبدالقادر صاحب مرحوم۔

(۴) ملفوظات مطبوعہ میرٹھ، منسوب بہ طرف حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز۔

مولوی صاحب کی تصانیف (یادگار دہلی اور حالاتِ عزیزی) کے علاوہ ان کے دو مضمون بھی بڑے اہم اور قابل ذکر ہیں (۱) شاہ ولی اللہ پر ایک مضمون جو تاویل الآحاد کے آخر میں شایع کیا گیا اور کئی نئی معلومات پر مشتمل ہے۔ (۲) شاہ اہل اللہ دہلوی پر ایک مفصل مقالہ جو تکملہ ہندی کے آخر میں شایع کیا تھا اور جو شاہ اہل اللہ پر ایک اولین اور معتبر ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔

مولوی صاحب کی تاریخ وفات اور اخلاف و اولاد کے متعلق کوئی بات معلوم نہ ہو سکی، مولوی بشیر الدین نے واقعات دار الحکومت دہلی، (تالیف ۱۹۱۹ء) میں مہدیوں میں مدفون حضرات میں مولوی سید احمد کا نام بھی لکھا ہے، گویا ۱۹۱۹ء کے قبل مولوی صاحب رحلت فرما چکے تھے پڑا۔

شاہ محمد اسماعیلؒ

ولادت ۱۲ ربيع الاول ۱۱۹۳ھ / ۲ اپریل ۱۷۷۹ء پھلت ، وفات والدہ ۱۶	رجب ۱۲۰۳ھ / ۱۲ اپریل ۱۷۸۹ء دہلی ،
۶۱۷۹۴ - ۶۱۷۹۳ / ۹ - ۱۲۰۸ھ / ۴ - ۶۱۷۹۴	فراغتِ درس (۱۵/۱۶ سال کی عمر میں)
۶۱۸۱۶ / ۱۲۳۲ھ	بیعت از سید احمد شہید
۶۱۸۱۶ / ۱۲۳۲ھ	تالیف تقویت الایمان
۶۱۸۱۸ / ۱۲۳۳ھ	صراطِ مستقیم
۶۱۸۲۲ / ۱۲۳۸ھ	ریع الاول
۶۱۸۲۲ / ۱۲۳۹ھ	صفحہ
۶۱۸۲۴ / ۱۲۴۱ھ	جمادی الثانی
۶۱۸۲۶ / ۱۲۴۲ھ	۲۰ جمادی الاول
۶۱۸۳۱ / ۱۲۴۷ھ	ذی قعدہ
	تصانیف :- رسالہ تقویت الایمان (اردو) صراطِ المستقیم (فارسی)
	افاری) منصب امامت (فارسی) رسالہ اصول فقہ (عربی) رسالہ ایک روزی (فارسی)
	ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والفریح - تنویر العینین فی مسئلہ رفیع البیدین ،
	مثنوی سلک نور ، رسالہ بے نمازاں -

سہ تنویر العینین کے متعلق بعض معاصرین شاہ اسماعیل کا بیان ہے کہ ان کی شہادت کے بعد لوگوں نے ان کے نام

سے یہ رسالہ لکھ کر شہرت دی ہے۔ تنبیہ الضالین ص ۸۷

شاہ محمد عمر

شاہ اسماعیل شہید کی اولاد میں صرف ایک فرزند شاہ محمد عمر کا نام ملتا ہے۔
مولوی سید عبدالحی کا بیان ہے کہ قناعت و عفاف و توکل و استغنا اور تبتل الی
اللہ کی صفات سے بہرہ مند تھے۔ دنیا اور ارباب دنیا کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے
تھے، ایک بار بہادر شاہ ظفر نے شوقِ ملاقات ظاہر کیا اور قلعہ معلّا کو رونق بخشنے
کی دعوت دی مگر آپ نے معذرت کر دی۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکی کی زبانی ایک ایسا ہی ایمان افروز واقعہ
نقل ہوا ہے کہ شاہ محمد عمر بن شاہ اسماعیل شہید ایک بار ہمارے ساتھ جارہے
تھے کہ بادشاہ کی سواری کے ڈنکے کی آواز آئی، ایک لخت ان کی رنگت زرد ہو گئی
پیشاب کرنے بیٹھ گئے۔ بادشاہ کی سواری آئی اور گزر گئی بعد وہ اٹھے تو چہرہ
خوش تھا۔ دریافت کیا کہ حضرت آپ اس قدر کیوں گھبرا گئے تھے اور اب کیوں
مطمئن ہیں کہا "میں نے بادشاہ کی سواری سامنے سے آتی ہوئی محسوس کر کے اس
بات کا خوف کیا کہ کہیں میرے ایمان کو نہ لے جائے۔"

ان ہی مولانا کیرانوی کی یہ روایت بھی ہے کہ نواب وزیر الدولہ والی ٹونگ
ان ہی محمد عمر صاحب کے معتقد تھے ایک مرتبہ ان کی ملاقات کے لیے آئے محمد عمر

۱۹۳۲ء نیزہ الخواطر الجزء السابع ص ۳۳۲ مرقاة الیقین از اکبر شاہ خاں نجیب آبادی ص ۱۹۳

۱۹۳۲ء

صاحب نے سنا کہ وزیر الدولہ آیا ہے تو دیوار کو دکر پھوڑے کی طرف سے
مکان چھوڑ کر چل دیے کہ امیروں کی ملاقات سے دل سیاہ ہو جاتا ہے اور قلب
پر غفلت طاری ہو جاتی ہے۔

شاہ محمد عمر کی وفات ۲ جمادی الثانی ۱۲۶۸ھ میں ہوئی، مومن خاں نے
حسب ذیل قطعہ تاریخ وفات موزوں کیا۔

محمد عمر کا ہوا انتقال	بزرگ ایسے ہوتے ہیں پیدا کہاں
مجھے سال تاریخ کا تھا خیال	کہ سب نے کہا مرگ شیخ زماں
	۱۲۶۸ھ

اِسْلاَمِی اِقْتِصَادِی اِنْقِلَاب

کے متعلق

حضرت امام حکیم الامت مجدد الملت عارف باللہ

مولانا شاہ ولی اللہ اعلیٰ مقامہ کے نظریات

نگارش:۔ حکیم مولوی انیس احمد صدیقی حنفی مجددی ولی اللہی۔

حضرت شاہ صاحبؒ اسلامی انقلاب کے داعی ہیں، اسلامی انقلاب میں اقتصادی اصلاحات بنیادی حیثیت رکھتی ہیں، اگرچہ اس موضوع پر مستقل تالیف کی ضرورت ہے، جس میں حضرت شاہ صاحبؒ کے نظریات و ارشادات کو تفصیل سے بیان کرنا چاہیے، لیکن ہم نے یہاں نہایت اختصار سے اسلامی انقلاب کے اقتصادی اصول تحریر کیے ہیں تاکہ برادرانِ اسلام کو یہ علم ہو جائے کہ اسلام ایک مکمل دستورِ حیات ہے اور اسلام میں مذہب اور سیاست جدا جدا نہیں۔

۸۔ جاہودی سیاست سے تورہ جاتی ہے چنگیزی

آج کل عوام میں سوشل ازم کا بہت بڑے پیمانے پر پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے اور عوام کو بتایا جاتا ہے کہ اسلام میں ہمارے اقتصادی مسائل کا حل کوئی نہیں ہے ان کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے اس باب کا مفادہ لیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اسلامی انقلاب کی دعوت کے داعی حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا شاہ ولی اللہ علی اللہ مقامہ ہیں جن کے ہزار ہا شاگردوں کے شاگرد ہندوستان میں عربی مدارس اور مساجد میں درس اور خطبات کے فرائض انجام دے رہے ہیں لیکن ان میں اکثر اصحاب نے نماز، روزہ، اور حج کو دین سمجھ لیا ہے اور دوسری چیزوں سے قطع نظر کر لی ہے، اس صرف نظر کی وجہ سے تمام عالم میں خرابیاں مفسد اور اختلال رونما ہے، جن لوگوں نے اس کی اصلاح کی کوشش کی ہے وہ ناشناس خدا ہونے کی وجہ سے دوسری قسم کی ظلمتوں میں گر پڑے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے منسلک پر عمل کیا جائے تو آج نہ صرف پاکستان بلکہ ہندو افغانستان اور مصر، ترکی اور تمام عالم اسلام میں مسلمانوں کے باہمی اختلافات ختم ہو جائیں اور تمام دنیا کے مسلمان ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح نہایت مضبوط اور منظم طاقت بن جائیں لیکن افسوس ہے کہ اس اہم ضرورت کو سمجھتے ہوئے بھی اس کی طرف پوری طرح متوجہ نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ صاحب کو بارہویں صدی کا مجدد بنایا تھا اور مجدد پیغمبر کا نائب ہوتا ہے، حضرت نے اقتصادی نظام کے سلسلہ میں جو تصریحات فرمائی ہیں ان کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اس اعتبار سے حضرت کی تحریرات میں اعجاز بھی ہے اولیٰ کا بھی۔

انقلاب فرانس ۱۷۸۹ء میں رونما ہوا ہے جس کو انقلاب پسند اصحاب نے نشانِ راہ قرار دیا ہے لیکن حضرت شاہ صاحب ۱۷۳۱ء میں یعنی انقلاب کے نشانِ راہ سے پوری نصف صدی قبل، کیونزیم کے معلم اول کارل مارکس اور اس کے نفسِ ناطقہ سے اور رفیق خاص اینگلس کی پیدائش میں پوری ایک صدی اور یورپ میں مشینوں اور کلوں کے جاری ہونے میں ابھی تقریباً چالیس سال باقی تھے، اسلام

کے اقتصادی انقلاب کے وہ نظریات پیش کیے ہیں جو عالم اسلام کے مسلمانوں کے لیے قابل فخر ہی نہیں واجب العمل بھی ہیں۔

اگر حضرت شاہ صاحبؒ کے یہ نظریات قبول کر لیے جاتے تو کارل مارکس اور دوسرے کمیونسٹ مفکروں کو کوئی نہ جانتا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جو لوگ حضرت شاہ صاحب کے علوم سے واقف ہیں اور زمانے کی ضرورت کو بھی سمجھتے ہیں، وہ حضرت شاہ صاحبؒ کے نظریات کی روشنی میں اسلامی انقلاب کے لیے مخلصانہ کام کریں، تحریری، تقریری اور تعمیری، ہر طرح سے اسلامی انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی جائے جو مملکت اس پر عمل کرے گی وہ یقیناً عالم اسلام کی قائد ہوگی بلکہ تمام دنیا اس کی امامت و عظمت کو تسلیم کرے گی۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا

لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اقتصادی اصول

(۱) دولت کی اصل بنیاد محنت ہے۔

کاشتکار، مزدور قوت کا سبب ہیں، باہمی تعاون مدتیت (شہریت کی روح رواں ہے۔ جب تک کوئی شخص ملک و قوم کے لیے کام نہ کرے ملک کی دولت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ملے۔

(۲) جوا، سٹہ اور عیاشی کے اٹھے ختم کیے جائیں جن کی موجودگی میں تقسیم دولت کا صحیح نظام قائم نہیں ہو سکتا اور بغیر اس کے کہ قوم اور ملک کی دولت میں اضافہ ہو۔ دولت بہت سی جیبوں سے نکل کر ایک طرف سمٹ آتی ہے یہ

(۳) مزدور، کاشتکار اور جو لوگ ملک اور قوم کے لیے دماغی کام کریں دولت

۱۔ حجۃ اللہ البالغہ باب سیاست المدینہ والبدور البازغہ بحث الاتفاق الثالث والنجیر الکثیر۔ ۲۔ حجۃ اللہ بالغہ باب ابتغاء الرزق

کے اصل مستحق ہیں، ان کی ترقی اور خوشحالی ملک اور قوم کی ترقی اور خوشحالی ہے جو نظام ان کو دبائے وہ ملک کے لیے خطرہ ہے، اس کو ختم ہونا چاہیے۔

(۴) ضرورت مند مزدور کی رضا، قابل اعتبار نہیں جب تک اس کی محنت کی وہ قیمت ادا نہ کی جائے جو ادا دبا بھی کے اصول پر لازم ہوتی ہے۔

(۵) جو سماج محنت کی صحیح قیمت ادا نہ کرے، مزدوروں اور کاشتکاروں پر ٹیکس لگائے قوم کا دشمن ہے، اس کو ختم ہونا چاہیے۔

(۶) جو آمدنی اور پیداوار تعاون باہمی کے اصول پر نہ ہو وہ خلاف قانون ہے۔

(۷) اوقات کار مقرر اور محدود رکھے جائیں۔ مزدور کو اتنا وقت ضرور ملنا چاہیے کہ وہ اخلاقی اور روحانی اصلاح کر سکیں اور ان کے اندر مستقبل کے متعلق

غور و فکر کی صلاحیت پیدا ہو سکے۔

(۸) تعاون باہمی کا بہت بڑا ذریعہ تجارت ہے۔ لہذا تعاون کے اصول پوری جا رہی

رہنا چاہیے۔ اس لیے تاجروں کو جائز نہیں کہ وہ بلیک مارکیٹ یا کمپیشن سے روح تعاون کو نقصان پہنچائیں، اس طرح حکومت کے لیے جائز نہیں ہے کہ بھاری ٹیکس عائد کر کے تجارت کے فروغ و ترقی میں رکاوٹ یا رخنہ پیدا کرے۔

(۹) وہ کاروبار جو دولت کی گردش کو کسی خاص طبقہ میں منحصر کر دے، ملک کے لیے تباہ کن ہے۔

(۱۰) وہ شاہانہ نظام زندگی جس میں چند اشخاص یا چند خاندان کے عیش و عشرت کے سبب سے دولت کی صحیح تقسیم میں خلل واقع ہو اس کا مستحق ہے کہ اس کو جلد از جلد ختم کر کے عوام کی مصیبت کو ختم کیا جائے اور ان کو مساویانہ اور منصفانہ نظام زندگی کا موقع دیا جائے۔

۱۔ حجۃ اللہ البالغہ باب الرسوم السائرہ بین الناس ۲۔ حجۃ اللہ البالغہ باب ابتغاء الرزق ۳۔ باب اصابت الاتفاقات

و اصلاح الرسوم و باب ضبط المہم حجۃ اللہ البالغہ ۴۔ باب البیوع الہی عنہا حجۃ اللہ البالغہ ۵۔ حجۃ اللہ البالغہ باب الارتفاق

الربح و باب البیوع الہی عنہا ۶۔ الرسوم السائرہ بین الناس و باب سیاست المدینہ۔

بنیادی حقوق

- حجتہ اللہ البالغہ اور البدور البازغہ وغیرہ میں ارتفافات (مفادات عامہ) کے تحت تفصیلی کلام فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔
- (۱۱) رونی، کپڑا، مکان اور ایسی استطاعت کہ نکاح کر سکے اور بچوں کی تعلیم و تربیت کر سکے، بلا لحاظ مذہب و نسل ہر انسان کا پیدائشی حق ہے۔
- (۱۲) ملک کے ہر باشندے کا حق ہے خواہ وہ کسی مذہب یا نسل سے تعلق رکھتا ہے کہ آل کی جان، مال اور عزت و ناموس کی حفاظت کی جائے اور اس کو عدل و انصاف سے استفادہ کا بغیر کسی معاوضے کے حق دیا جائے۔ حقوق شہریت میں یکسانیت اور حقوق ملکیت میں آزادی کا حق حاصل ہو۔
- (۱۳) زبان اور تہذیب کو زندہ رکھنا ہر فرقہ کا بنیادی حق ہے۔

اصول نظام حکومت

- (۱۴) زمین اور اس کے خزانوں کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے، اس کے بعد ظاہر اتطانی اعتبار سے ریاست ہے اور باشندگان ملک جن کو ان کے حقوق حاصل ہیں وہ ان کے منتظم ہیں اور ان کی ملکیت کا مطلب یہ ہے کہ دوسرا شخص ان کے حق انتفاع میں دخل اندازی نہ کرے۔
- (۱۵) سارے انسان برابر ہیں۔ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ خود کو مالک الملک یا ملک الناس سمجھے۔
- (۱۶) مملکت کے سربراہ کی حیثیت بالکل ایسی ہے جیسا کہ وقف کے متولی کی اگر ضرورت مند ہو تو اثنا و ذلیفہ لے سکتا ہے جو عام باشندگان ملک کے معیار کے مطابق زندگی گزار سکے۔

۱۵۱

انتخاب مضامین سرسید



مصنف : انور صدیقی
صفحات : 140
قیمت : -/52 روپے

اپنے دل کی حفاظت کیجیے



ترجمہ : نذیر الدین مینائی
صفحات : 84
قیمت : -/48 روپے

فردوس بریں



مصنف : شرر لکھنوی
صفحات : 180
قیمت : -/60 روپے

انشائیات



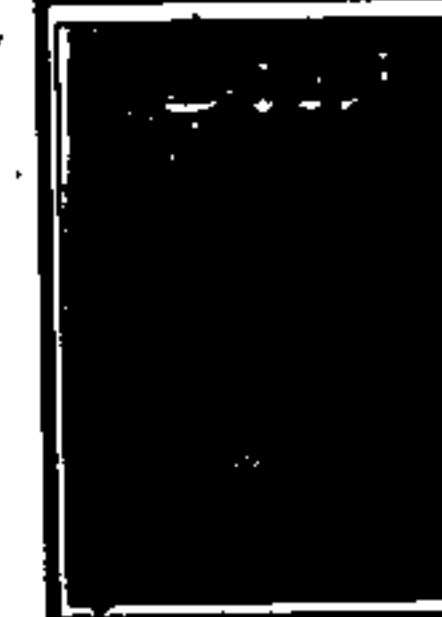
مصنف : سید عابد حسین
صفحات : 240
قیمت : -/84 روپے

یادگار غالب



مصنف : الطاف حسین حالی
صفحات : 220
قیمت : -/66 روپے

فسانہ غالب



مصنف : مالک رام
صفحات : 192
قیمت : -/72 روپے

انتخاب مضامین



مصنف : رشید حسن خاں
صفحات : 280
قیمت : -/77 روپے

اسلام دور حاضر میں (مطلب مضامین)



ترتیب : مشیر الحق
صفحات : 208
قیمت : -/75 روپے

7905

ISBN: 978-81-7587-527-2



9 788175 875272